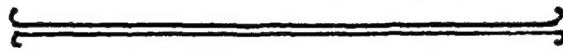


# تصویر

جوش آنکھوں میں پھر رہی آج      ایک جانِ حیا کی یوں تصویر  
 زیرِ محرابِ دیر کھلے پہر      جس طرح خندۂ سراجِ مُنیر  
 جیسے طلبت میں چشمہٴ حیوان  
 جیسے قرآن میں آیہٴ تطہیر

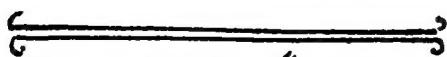
# جَلّائے جابِ مَحْجائے جَا

اُبھار کر مٹائے جا، بگاڑ کر بنائے جا کہ میں ترا چراغ ہوں جلّائے جابِ مَحْجائے جا  
 تری بہار کا مدار اگر ہے میرے خُون پر جمالِ یار، شوق سے مرا اہو بہائے جا  
 ہنوز سینہ چاکن ہنوز اسیرِ خاک ہوں پلائے جا پلائے جا، پلائے جا، پلائے جا  
 فغاں کہ مجھ غریب کو حیات کا یہ حکم ہے  
 سمجھ ہر ایک بھید کو مگر فریب کھائے جا



# پیارے

عشق خود تر جان ہے پیارے  
موت سے کیا ڈروں کہ مہتی کی  
جس زمیں پر ہے نقشِ پا تیرا  
ریشے ریشے میں دل دھڑکتا ہی  
ہر نظر اک زبان ہے پیارے  
موت خود پاسبان ہے پیارے  
وہ زمیں، آسمان ہے پیارے  
ذرے ذرے میں جان ہو پیارے  
ہر لہریں، اک گمان ہو پیارے  
شیشہ گر کی دکان ہے پیارے  
رات کتنی جوان ہے پیارے  
ہر نفس، اک جہان ہے پیارے  
تیرے پہلو میں بیٹھ جانے سے  
یہ جہاں اک نفس تو ہے، لیکن  
جوش کی قدر کر کہ یہ میخوار  
فخر ہندوستان ہے پیارے



لے یہ غیر مسلسل غزل پڑائی ہے، اور غلطی سے شائع ہو گئی ہے۔  
لے ”ہندوستان“ کے ساتھ اضافت اس لئے جائز ہے کہ ”ہندوستان“ علم ہے۔ اس کے علاوہ میں تو اعداد کا کچھ ایسا پابند بھی نہیں ہوں

## رہزنی یا رہبری ؟

سمجھ میں آئے گا اک عمر کے بعد  
 نہ جا ان کفر کی باتوں پہ میری  
 اُلجھتا ہوں زیوؤں عقلوں سے جتنا  
 بشکل رہزنی، ہر قافلے کو  
 تفکر چھپا رہا ہے مجھ پہ جتنا  
 بغاوت کی ہوا کے بازوؤں پر  
 ہوا اُٹھتا ہے لڑتا بھگتا  
 جسے یوں کھور رہا ہوں ہر قدم پر  
 اُسی کے بعد پرنازاں ہوں آنا  
 اُسی کے رُخ سے آگاہ ہو کر  
 اُسی کی بات کو ٹھٹھلا رہا ہوں  
 اُسی کو ہر نفس میں پار رہا ہوں  
 اُسی کے قرب پر اتر رہا ہوں  
 اُسی کی بات کو ٹھٹھلا رہا ہوں  
 اُسی کے نام کو تاریک کر کے  
 اُسی کی ذات کو چمکا رہا ہوں

میں شرابِ وہمِ آبائی کا مستوالا نہیں  
آدمیت سے کوئی شے دہریں بالا نہیں



## ہوس و عشق

دُبّاعی

اے صیدِ ہوس، آگِ عنہمِ مستی کی  
مجبو بھی جلا رہی ہے اور تخبِ کو بھی،  
میرے جلتے میں عود کی ہے توشبو  
اور تج میں وہ بو ہے، جیسے جلتی ہڑی

چار دن جو شاد ہے، اور چار دن ناشاد ہو  
 یہ ”خدا“ تو آدمی کے ذہن کی ایجاد ہے  
 سخت حیراں ہوں، یہ کیسا وہم کا طوفان ہو  
 اے عزیزو، یہ ”خدا“ کے بھیس میں ”انسان“ ہے  
 مد میں گزریں کہ عقل انجمن بدقوق ہے  
 دوستو، ایسا ”خدا“ خالق نہیں، مخلوق ہے

(۴)

اٹھ کھڑے ہوں، آؤ تکمیل عبادت کے لئے  
 اک نیا نقشہ بنائیں آدمیت کے لئے  
 آؤ منہل میں جلائیں بھی لبداشان فراغ  
 نوع انسانی کی مجموعی اخوت کا چہرہ  
 اور کچھ حاجت نہیں ہے دوستی کے واسطے  
 آدمی ہونا ہے کافی، آدمی کے واسطے  
 آؤ وہ نمورت نکالیں جس کے اندر جان ہو  
 آدمیت دین ہو۔ انسانیت ایساں ہو،

گاہ آتا ہے یہاں طوفان پر ہو کر سوار  
 گاہ غصے میں ہلاتا ہے زریں کو بار بار  
 جو اگر خوش ہے تو دیتا ہے بشر کو انجیں  
 ڈال کی توڑی کھجوریں، کورے پنڈے کے حسین  
 اور اگر بگڑا تو چھپ جاتا ہے چہرہ جھاگ میں  
 آدمی کو جھونک دیتا ہے، دہکتی آگ میں  
 گاہ ہوتا ہے مُصر، النعام پڑا حسان پر  
 پیتا ہے دانت رہ رہ کر کبھی انسان پر  
 جس نے لاکھوں راہبر بھیجے ہدایت کے لئے  
 روند ڈالا جس نے اس کثرت کو "وحدت" کے لئے  
 خُون گو سو بار اُس کے آستان پر بہ گیا  
 پھر بھی جو اپنے مشن میں فیصل ہو کر رہ گیا  
 جس کی کشتی، جوئے سرتابی کی رو میں بہ گئی  
 جس "خدا" کی "ضربِ آخر" بھی اُچٹ کر رہ گئی

جو اگر یوں خم نہو گردن، تو کرتا ہے بھسم  
 یوں جبیں کو ٹیک دو، تو مائلِ جود و کرم  
 یوں ہوں ماتھے پر لکیریں، تو دُعا ہو مستجاب  
 مُنہ پھلکا کر یوں اگر تو نبیؐ، بجب آو تو ثواب  
 اس طرح زلفین بنانے، یوں کترنے میں ثواب  
 اس طرح اُٹھے ٹٹک کر یاد کرنے میں نجات  
 جس کے آگے رقص کرنا، گنگنا ہی حرام  
 جس کے آگے قہقہہ کیا، مُسکرا نا ہے حرام  
 جس کے آگے کانپنا، آنسو بہانا ہے ثواب  
 جس کے آگے سر جھکانا گرا کر انا ہے ثواب  
 جس کے آگے زمر زمرہ، پیانا، ساقی ہب حرام  
 صرف آبِ سردِ ذِمانِ گرم، باقی سب حرام  
 مست ہوتا ہے جو یوں انسان کی تحسین پر  
 چُسن اُٹھا کر جھومتا ہے آگ جیسے زین پر  
 فطرتِ انساں کا خالق ہو کے بھی جو صبح و شام  
 بے خطا انسان سے لیتا ہے کیا کیا انتقام



فاتحہ کا نان و حلوی، آئے دن کھاتا ہے جو  
 انگلیوں پر روز اپنا نام گنواتا ہے جو  
 سرنگوں رہتا ہے جو اہل فتن کے سامنے  
 جس کی کچھ چلتی نہیں ہوا ہر من کے سامنے  
 رونہ تارہتا ہے جس کی ”خیر“ کو ابلیس ”شر“  
 چاہتے ہیں جس کے ناداروں کے کھجے اہل زر

گرگ سیرت ڈاکوؤں کو تاج پہناتا ہے جو  
 ”مومنوں“ کو کافروں سے بھیک منگواتا ہے جو  
 ”مجکوں کو جو“ مجکوں کو چاہو ”کی صدا دیتا ہے جو

جو نہ چاہے، اُس کو دوزخ کی سزا دیتا ہے جو  
 حکم ہے جس کا کہ یوں انگلی ہلانا چاہتے  
 جب جما ہی آئے تو چٹکی بجانا چاہتے  
 مر کے جلنا، یا کسی دریا میں بہنا چاہتے  
 چھینک جب آئے، معاً ”کچھ“ کہنا چاہتے

اِن کو اُس اُعلیٰ ”خدا“ سے دُور کی نسبت نہیں  
 جس کے قبضے میں زماں ہیں جس کے قدموں پر زمیں  
 آج تک پہنچی نہیں جس اُج تک چشمِ خیال  
 ایک نامعلوم قُوت، ایک نادیدہ حلال  
 داغِ شخصیت سے ہے نا آشنا جس کی جبین  
 نوعِ انساں کے تعاوُن کی سب سے حاجت نہیں  
 جس کا ہر تارا ہے مُنصف، جس کا ہر ذرہ کتاب  
 جس کے دفتر کی ہر زمیں مہرِ قرصِ آفتاب  
 وہ ”خدا“ وہ طاقتِ محفی، وہ دارائے حیات  
 جس کی اک ادنیٰ سی جُنبش کا لقب ہی کائنات  
 اُس کی کوئی ابتدا ہے، اور نہ کوئی انتہا  
 لیکن اِن اربابِ مذہب کا ترالا ہے ”خدا“

(۳)

وہ ”خدا“ جو آدمی سے چاہتا ہے بندگی  
 تشنگی جس کو بیت ہے خوشنما ”عناط“ کی

ذہن ان کے رنگتے پھرتے ہیں زیرِ آسماں  
 اپنی غلبوں میں دبائے دہم کی بے ساکھیاں  
 ان سے بڑھکر نور و حکمت کا کوئی دشمن نہیں  
 ان کے تہ خانوں میں روشندان کیا، روزی نہیں  
 کیوں نہ اٹھے عقل کے سینے سے رہ رہ کر دھواں  
 دین کے تابوت کی یہ زندہ لاشیں، الاماں  
 دین کیا ہے، خوفِ دوزخ، حرصِ جنت کے سوا  
 رسمِ تقویٰ کچھ نہیں جُبن و تحارت کے سوا  
 اللہ اللہ یہ مقدس عالمانِ پُرشکوہ  
 تاجروں کی اک جماعت بُز دلوں کا اک گروہ  
 سینکڑوں حوروں کا ہرنیکی پہ ہے ان کو یقیں  
 سود لینے میں خُدا سے بھی یہ شر مالتے نہیں  
 بند پانی سے انہیں کیا آسکے بُوئے فساد  
 یہ تو ہیں ”شخصی خُدا“ کے بندگانِ حسانہ زاد

ان کے شانوں پر تو ایسے سر ہیں، احوال نگاہ  
 جن کا گودا جمل چکا ہے، جن کے خانے ہیں سیاہ  
 اور وہ خانے ہیں، جن تک روشنی جاتی نہیں  
 آندھیوں کے وقت بھی جن میں ہوا آتی نہیں  
 بچے نیکے ہیں جہل کے تھوٹکوں سے ان سب کے چراغ  
 کبے ہیں ضیق النفس میں مبتلا ان کے دماغ  
 ان کی عقل پوچھ اک مدت سے ہی غلوت گزریں  
 فکر کی ٹھنڈی ہوا میں سانس لے سکتی نہیں  
 دیر سے عقلیں ہیں ان کی قبض مزمن سے دوچار  
 ذہن ہیں تقلید کے وجع معاصل کا شکار  
 کانپتے ہیں یہ ”خدا“ و ”اہرمن“ کے سامنے  
 اب بھی جھکتے ہیں روایات کہن کے سامنے  
 یوم پیدائش سے ہیں یہ اپنے سینوں میں لئے  
 کانپتے بوڑھے عقیدے، پتھر پتھر آتے و نوسے  
 معتقد ہیں اب بھی ان ادیان کو یہ بگڑا  
 دانت جن کے گرچکے ہیں جن کی بلکیں ہیں سفید

پھر رہا ہے آدمی، بھولا ہوا، بھٹکا ہوا  
اک نہ اک "لیل" ہر اک مانتے پہ لٹکا ہوا

آخر انساں، تنگ سانچوں میں ڈھلا جاتا ہی کیوں  
"آدمی" کہتے ہوئے اپنے کو شرماتا ہے کیوں  
خوردنی اشیاء کا بھی یاں اک نہ اک آئین ہی  
آم اگر دیندار ہے، تو سنتر اے دین ہے  
کیا کرے ہندوستان "اللہ" کی سے یہ بھی دین  
چائے ہندو، دودھ مسلم، ناریل سکھ، برہمن  
اپنے ہم جنسوں کے کینے سے بھلا کیا فائدہ  
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے چنے سے بھلا کیا فائدہ

(۲)

نوجوانو! یہ بڑے بوڑھے، نہ مانیں گے کبھی  
صحتِ افکار سے حالی ہے ان کی زندگی  
صبح کا جب نام آتا ہے تو سو جاتے ہیں یہ  
روشنی کو دیکھتے ہی کور ہو جاتے ہیں یہ

مُسلکِ اجداد سے وابستگی ایمان ہے  
 یہہ فقط تقلید کے سرِ سام کا ہدیان ہے  
 یہ مُسلمان ہے، وہ ہندو، یہ مسیحی، وہ یہوڈ  
 اس پر یہ پابندیاں ہیں، اور اُس پر یہ مُشیو  
 شیخ و پنڈت نے بھی کیا احمق بنایا ہے ہمیں  
 چھوٹے چھوٹے تنگ خالوں میں جھپٹایا ہے ہمیں  
 قصیر انسانی پنلِ جہل برساتی ہوئی  
 تجنڈیاں کتنی نظر آتی ہیں لہسراتی ہوئی  
 کوئی اس غلط میں صورت ہی نہیں ہو کر کی  
 بُہر ہر دل پہ لگی ہے اک نہ اک دستیر کی  
 گھٹتے گھٹتے مہرِ عالم تاب سے تارا ہوا  
 آدمی ہے مذہب و تہذیب کا مارا ہوا  
 کچھ تمدن کے خلف، کچھ دین کے فرزند ہیں  
 قُلزُموں کے رہنے والے، جُلجُلوں میں بند ہیں  
 قابلِ عبرت ہے یہ محدُودیتِ انسان کی  
 چٹھیاں چپکی ہوئی ہیں مختلف ادیان کی ،

# دینِ آدمیت

(۱)

جب کبھی جھوٹے سے اپنے ہوش میں ہوتا ہوں میں  
 دیر تک بھٹکے ہوئے انسان پر روتا ہوں میں  
 اقتضائے وقت سے تھا کل جو خالص اک رواج  
 ارتقائے وہم سے وہ دولت ایسا ہے آج  
 اب بھی عین عقل ہے، ماضی کا ہر وہم و قیاس  
 کل کے ”جو جو“ نے پہن رکھا ہے ”دیوتا“ کا لباس  
 جس کی انگلی تھام کر بچپن اٹھاتا تھا قدم  
 آج بھی محتاج ہیں بچپن کی اس وایا کے ہم  
 کس سے کہئے، تھا جو کل طفلی میں صحت کا امین  
 نو جوانی میں وہ نسخہ کام دے سکتا نہیں  
 ایشیا دالو، یہ آخر کیا خدا کی مار ہے  
 کل جو گھٹی بی تھی اُس پر آج تک اصرار ہے

ٹپکتا ہو جب شہد، موج صبا سے      جھلکتی ہو جب شادمانی فضا سے  
برستی ہو جب زندگانی گھٹا سے      تو اُس وقت سمجھو کہ فضلِ خدا سے

آبِ آئی کوئی آفتِ ناگہانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

متلَعِ غمِ جاودانی عطا کی      غم و غصّہ و سرگرائی عطا کی

تمنا کی ناکامرائی عطا کی      مجھے آپ نے زندگانی عطا کی

بڑی دل نوازی، بڑی مہربانی!

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی



کہ وہ بھی تو غم ہی کی ہے ترجمانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

ہر اک لے ہے اک التجبائے ترخُم خراشِ جگر ہے، خروشِ ترخُم  
خراشِ جگر کا کہوں کیا تلاطم جو کم ہو تو بتی ہے موجِ تبسُم

جو گہری ہو تو آنسوؤں کی روانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

بس اک وہم ہے وہم، رنگین دُنیا حبابوں کے قلعے، سراپوں کے دریا  
غلط و رغلط ہے، نظر ہو کہ جسوا اٹھے رنگ و بو کے جو پردے تو دیکھا

نہ شامیں سلونی، نہ صبحیں سُہانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

مسائل سے کب تک نہ پیچھا چھڑاتے؟ مصائب پہ تا چند آنسو بہاتے  
مسترت کا انجام کیوں کر ٹھلاتے؟ جب اُکتا گئی رُوح، غم کھاتے کھاتے

تو گھبرا کے پی لی مئے ارغوانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

زمانے کا لطف و کرم بھی جفا ہے مصیبت ہی دنیا میں سرماند ہے  
ستم ابتدا ہے، ستم انتہا ہے بتادوں ”غم“ و ”عیش“ میں فرق کیا ہو؟

وہ سوزِ عیاں ہے، یہ سوزِ نہانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

ہو مرہم بھی جب اک نیازِ خیمِ کاری خوشی کا ہو ردِ عمل، اشکباری

نتیجہ ہو تمکین کا بے قساری جب انجامِ عشرت بھی ہو سوگواری

مشیت سے پھر کیوں نہو بدگمانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

خوشی کی نظر گو نہیں تنگ، یارو خوشی، غم سے کرتی ہے گوجنگ، یارو

مگر دل ہے اس بات سے دنگ، یارو کہ ہر جاوہِ رامش و رنگ، یارو

مُرا ہے سُوئے منزلِ نوہِ خوانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

مصابیب کا، ہر سانس ہے اک فسانہ مصائب کا مارا ہوا ہے زمانہ

ترانہ فغاں ہے، فغاں ہے ترانہ مجھے کیا لُجھائے گا چنگ و چغانہ

عقیدت کے پھندے، عقوبت کے چکر      عقائد کا سیلاب، ایماں کی مَرَصَر  
تلاطم ہے محراب، طُوفان ہے منبر      یہاں پارسیٹر لگے بھی تو کیوں کر

جنوں ناخدا اور کشتی پُرانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

ہر اک زلف کتنی ہے برہم نہ پُو جھو      حکایاتِ مرزگانِ پُرِ نَم، نہ پُو جھو  
دھڑکتا ہے کیوں قلبِ آدم، نہ پُو جھو      تمت کی دُنیا کا عالم، نہ پُو جھو

یہاں آگ ٹھنڈی ہے، اور گرم پانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

بُلا یا، نکالا، بٹھایا، اُٹھایا      چڑھاتے ہی سر پر، نظر سے گرایا  
جو دم بھر ہنسیا، تو برسوں رُلا یا      تو پھر موت کہتے ہیں کس کو خُدا یا

اسی کا اگر نام ہے زند گانی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

اگر دہن کے تَن پہ بوٹی ہے بابا      اگر عقل، قسمت سے، موٹی ہے بابا  
تو پھر زندگی، دال روٹی ہے بابا      نہیں تو ہر اک چپیر کھوٹی ہے بابا

نہ سمجھا تو مُورکھ، جو سمجھا سو گِیا نی

بڑی دُکھ بھری ہے ہماری کہانی

# نوحۂ زندگانی

کہیں ٹہجے سے کیا حال، اسے یارِ جانی بڑی بے دلی ہے، بڑی سرگرائی  
فراغت ہے آنی، مسرت ہے منانی مالِ مسرت غمِ جاودانی

غمِ جاودانی، غمِ جاودانی

بڑی دکھ بھری ہے ہماری کہانی

کھلونوں کا تھا پہلے کیا تقاضا نئی ایک غمِ تھی، نیا ایک غوغا  
اور اب ولولے دل میں ہیں کارفرما نئی ایک حسرت، تھی اک تمنا

نہ ظفائی ہی خوش تھی، نہ خوش ہے جوانی

بڑی دکھ بھری ہے ہماری کہانی

لگے ہے وہ گھٹن، جان و دل گھٹن ہے ہیں کہیں کیا، دل و دیدہ، کیوں ٹھن ہے ہیں

حوادث کی چنگاریاں جُن رہے ہیں جسے آپ سُن سُن کے سر دھن رہے ہیں

نرا خونِ دل ہے یہ رنگیں بیانی

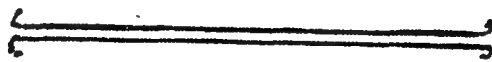
بڑی دکھ بھری ہے ہماری کہانی

نعموں سے کوئی ماہِ لقا جھوم رہی ہے  
 شانوں پہ گھنی زلفِ دو تا جھوم رہی ہے  
 یا سر و خراواں پہ گھٹا جھوم رہی ہے

آہرِ جناں، باغِ جناں جو جناں دیکھ  
 ہاں پیرِ منعاں پیرِ منعاں پیرِ منعاں دیکھ  
 ہاں پیرِ منعاں دیکھ

اموں کی گھنی چھاؤں ہے، کو کو کی صدائیں  
 سرشارِ فضا، مستِ چمن، سر دہوائیں  
 بستی میں گلِ دلالہ، بستی میں گھٹائیں

برنائیِ سلامتِ بہانِ گزراں دیکھ  
 ہاں پیرِ منعاں پیرِ منعاں پیرِ منعاں دیکھ  
 ہاں پیرِ منعاں دیکھ



کشتے آہی پہ سے تانوں غم و دل دیکھ  
 ہاں پیر مغال پیر مغال پیر مغال دیکھ  
 ہاں پیر مغال دیکھ

تجے سے رستہ ہو تاج تاج  
 شوق ہے شمع ہے شمع تاج  
 جہان ہے جہان ہے جہان تاج

گروں کی نظر ہے سوئے گنج گنج  
 ہاں پیر مغال پیر مغال پیر مغال دیکھ  
 ہاں پیر مغال دیکھ

شیریں کی عزت میں تاج تاج  
 ہاں پیر مغال پیر مغال پیر مغال دیکھ  
 ہاں پیر مغال دیکھ

بانگ ہے تو ایمائے خم آبِ رداں دیکھ  
 ہاں پیر مغال پیر مغال پیر مغال دیکھ  
 ہاں پیر مغال دیکھ

خورشیدِ طرب ہے اُفتِ گل سے نمودار  
گلاتے ہیں ہواؤں سے لچکتے ہوئے اشجار  
آتی ہے گھنٹی چھاؤں سے پازیب کی جھنکار

رنگِ چمن و عسیرہ زہرہ و شانِ دیکھ  
ہاں پیرِ منعاں، پیرِ منعاں پیرِ منعاں دیکھ  
ہاں پیرِ منعاں دیکھ

خود پی کے حریفوں کو بھی اک جامِ بلا دے  
وہ جام کہ تفصیل کو اجمالِ بنا دے  
گلِ رنگ سی اک سامنے دیوار اٹھا دے

کوئین کو آنیم عیاں، نیم نہاں دیکھ  
ہاں پیرِ منعاں، پیرِ منعاں پیرِ منعاں دیکھ  
ہاں پیرِ منعاں دیکھ

اب نیم نفس بھی نہیں تاخیر گوارا  
ہاں جلدِ پلا، جلدِ پلا، جلدِ خُدارا  
بھرنے ہی پہ ہے ایلقِ ایامِ ترارا

اس سمت بھی اے قبلۂ صاحبِ نظران دیکھ  
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ  
ہاں پیرِ مغاں دیکھ

ہر آن ترانے سے برستا ہے ترانہ  
بیتاب ہے، بدست ہے، بخود ہے زمانہ  
گو کوئی ہے اُدھر اور ادھر چنگ و چغانہ

یہ نعمۂ نوخیز، وہ گلبنگِ جواں دیکھ  
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ  
ہاں پیرِ مغاں دیکھ

ہم چپ ہیں تو مدہم ہیں سینوں کے بھی جلوے  
ہم چمکیں تو چمکیں گے یہ گلرنگِ شکوے  
وانا ہے تو پہلے ہمیں دو گھونٹِ پادے

پھر عشوۂ ترکا نہ خوبانِ جہاں دیکھ  
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ  
ہاں پیرِ مغاں دیکھ



دن ڈوب چلا، شعلِ امتید جلا دے  
 اٹھ پائے صراحی پہ جبینوں کو جھکا دے  
 کہہ قلقلِ سینا سے کہہ بکیرِ سنا دے

ہے وقتِ ازاں وقتِ ازاں وقتِ ازاں دیکھ  
 ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ  
 ہاں پیرِ مغاں دیکھ

ہر دیدہ گریاں میں تبسم ہے پُرافشاں  
 کیوں کشمکشِ سود و زیاں سے ہو پریشاں  
 ہر درد کے آغوش میں ہے لیلیٰ درماں

ہر چاک ہے اک کارِ گنجِ گراں دیکھ  
 ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ  
 ہاں پیرِ مغاں دیکھ

مانا کہ مناظر ہیں تبسم ہی تبسم!  
 گو دید کے قابل ہے یہ جلوں کا تلاطم  
 لیکن جو مناسب ہو تو ازراہِ ترجم

# پیرمغان - دیکھ!

ہاں دیکھ، ہر اک ذرہ ہر اک باغِ جناں دیکھ  
ہر خارِ مغیلاں پہ ہے جنت کا گماں دیکھ  
گلشن پہ ہے گمنگور گھٹاؤں کا دھواں دیکھ

اور اُس پہ یہ لبِ تشنگی بادہ کشاں دیکھ  
ہاں پیرمغان، پیرمغان، پیرمغان دیکھ  
ہاں پیرمغان دیکھ

یوں سایہِ کامل میں ہے، اک روئے کتابی  
جس طرح گھٹاؤں میں تھبکتی ہو گلابی  
دے جام کہ ایماں کی نہ ہو حسانہ خرابی

تسnim کی سو گند سوئے تشنہ لبان دیکھ  
ہاں پیرمغان، پیرمغان، پیرمغان دیکھ  
ہاں پیرمغان دیکھ

عروں کی خواب آفریں آسودہ گامی سے  
 کبھی چہرے دے سکتے تھے کبھی زلفیں بکھرتی تھیں  
 کسی چشم سیہ کے بزم آراست پر تو سے  
 ہلکتے مسکرتے نیم و غنچوں کے جہر مٹ میں  
 و فوراً آرزوئے جنبش دست زلیخا میں  
 قریب آپ جو میدان کے دھندلے کناروں پر  
 ملائیک ہی نہ تھے مجھے میں پیش آدم خاکی  
 سبک رفتار نبضِ چرخ گرداں تھی جہاں میں تھا  
 حقیقت نیم پیدا نیم پنہاں تھی جہاں میں تھا  
 ہر اک فرہ میں اک روحِ شبتاں تھی جہاں میں تھا  
 جوانی کی شکر خوانی برافتاں تھی جہاں میں تھا  
 عروں یوسفیت چاک اماں تھی جہاں میں تھا  
 محبت کا کلیں کھولے خراماں تھی جہاں میں تھا  
 الوہیت بھی زیرِ دامِ انساں تھی جہاں میں تھا

— — — — —

ریاضی  
 اخلاق کی چھوٹی حالت کر دیں  
 نفس کہ امیروں کے گناہے کر دیں  
 دولت انھیں دید و بیاست کر دیں

# جہاں میں تھا

ہوائے سر، موجِ آبِ حیواں تھی جہاں میں تھا  
فلک کی شمع رہن، طاقِ نیاں تھی جہاں میں تھا  
لبِ ہر برگ پر تفسیرِ قرآن تھی جہاں میں تھا  
تبسمِ ریزِ روحِ شبنمِ تاں تھی جہاں میں تھا  
نظرِ افروزِ برقِ رستے تاباں تھی جہاں میں تھا  
حقیقتِ مضطرب و سرگرداں تھی جہاں میں تھا  
حرم کی شمعِ ایمانی فروزاں تھی جہاں میں تھا  
بہمِ خوابیدہ روحِ کفر و ایمان تھی جہاں میں تھا  
نخلِ آویزشِ یزدان و شیطان تھی جہاں میں تھا  
جہنمِ ہنسی و عذوبِ برق و باران تھی جہاں میں تھا  
جنونِ ذوقِ عصیاں کی شناخاں تھی جہاں میں تھا  
مشیتِ گوشِ براؤزِ زنداں تھی جہاں میں تھا  
نگارِ خندہ عشرتِ غولِ خواں تھی جہاں میں تھا

شبِ آغوشِ حین میں صبحِ خداں تھی جہاں میں تھا  
زمین کے چہرہ رنگین سے ایسی لونا بھلتی ہے  
چمن کے سحرِ رنگین پر حقائق یوں برستے تھے  
سحر تک شمع کا فوری کے غم رفتارِ اشکوں میں  
فرازِ ذہن کے زمان پر و راہِ پاروں میں  
شعاعِ عارضِ افسانہ رستے مجازی سے  
صنمِ بردہ نش و کفر انگیز محرابِ کلیسا میں  
حقائق کے معطرِ عایعِ اضدادِ بستر پر  
سرشتِ آدم و ابلیس تھی یوں مجوسہ گوشِ  
چمن کے سر و آوارہ خس و فاشاک کے اندر  
زراہِ معدلتِ گوشِ زبانِ مریمِ عصمت  
ستارے نقشِ بردیوار تھے، مہتاب سکتے ہیں  
سرشکِ گریہ پنہاں کی ظلمتِ خیزناہِ نش میں

بے بسوئی ہچکیوں کے بجتے ہیں باب بیکوں کے آنسوؤں سے کھینچتے ہیں جو شراب

(۸)

(الف)

اے پٹاری کے سترے انگور اہل عز و جاہ  
غرقِ نکت ہر تمہاری ذات سے نفع بشر  
اے امیر و مہند دیکھانیکے بھی تم قابل نہیں  
خاک میں بل جاؤ، سینو نہیں دل بجس لئے  
آدمی کب آدمی کی شکل کے توڑے ہو تم  
آدمی پر رحم کرنے کو سمجھتے ہو گناہ!  
شرم سے گر جاؤ اے بے ہر فردان زر  
تھیلیوں میں زر تو ہی، سینو نہیں لیکن دل نہیں  
ماش کے آٹے کی صورت اٹھتے ہو کس لئے  
پشتِ مخلوقات پر سلطان کے پھوٹے ہو تم

(ب)

اور اے غاصبِ حکومت، دشمنِ لطفِ کرم  
ہو نہیں سکتا ہی حاملِ اس حکومت کو دوام  
ہمنے یہ مانا کہ غفلت کیش ہیں نادان ہیں  
ڈالتی ہے دل میں تو وہ زخم جو بھرتا نہیں  
جوتیاں تک چھین لے انسان کی جو سامراج  
جس کے لاتعداد مردوں کو قفن ملتا نہیں  
لے یہ سہری، یہ جگر، یہ دل ہی، اے منحوس لے  
موت کے جاؤے ہیں تیرے کیسوؤں کے پیچ و خم  
پیٹ بھر کر کھانہ سکتے ہوں کبھی جسکے غلام  
اے حکومت، پھر بھی ہم حیواں نہیں انسان ہیں  
یہ ستم تو کوئی حیوانوں پہ بھی کرتا نہیں  
کیا اسے یہ حق پہونچتا ہے کہ رکھے سر پہ تاج؟  
اس کے پرچم کو نگل جاتی ہے بالآخر زیں  
چوس لے، جتنا لہو باقی ہے، وہ بھی چوس لے

(خاتم)

کھائے بتاتے ہیں مجھے یہ سرد لمحے رات کے      چند کھڑے، یا الہی! چند کھڑے دھات کے!!

(۳)

کیا ہوا جاتا ہے بچی کو ارے دوڑو کوئی      نائے تیکے سے ڈھلی جاتی ہو گردن بھول سی  
وہم ہوتا ہے مجھے لہجہ تو منہ سے بول      لے زبیدہ، لے زبیدہ، لے زبیدہ! آنکھ کھول

(۴)

بعد ازاں ایک آخری ہچکی، بکل بے بسی      مرغ جاں کی پریشانی، موت کی سنجیدگی

(۵)

لاش کا چہرہ خدا معلوم کیا کہنے لگا      گر پڑی چکر کے ماں، سر سے لہو بہنے لگا

(۶)

پوچھتی اتنے میں، کانپی لاش پر پہلی کرن      لاش تھی، یا سورہی تھی نیند کی ماتی دہن  
مچوشیوں، تہا چرائے گشتہ کا ہلکا دھواں      رو رہی تھیں بے زری کی موت کی خاموشیاں  
موت کے آغوش میں تھی ایک یوی سن کی      زانوئے ظلمت پہ گویا سورہی تھی چاندنی  
کارواں نورِ سحر کا یوں تہا چہرے پر رُخاں      جیسے دھندلے آئینے میں پہ تو اب رُخاں

(۷)

سائش لی آبادیوں نے مرغ کی آواز سے      جاگ اٹھے زردار ہسائے بھی خواب نایسے

# سرمایہ ارشہر پار

(۱)

موت کے بستر پہ اک دوشیزہ ہو لیٹی ہوئی  
 چہرہ گل رنگ ہو اس طرح بیماری سو فوق  
 ضعف کی شدت سے ہی یہ رنگِ حثیم سرگیں  
 دلیں کچھ ہول اٹھ رہی ہو پے بہ پے روکے ہوک  
 تابِ رخ یوں مضحل ہو دیں حساسات کی  
 جس نے دکھی ہیں ابھی چوڑا بہاریں عمر کی  
 جھٹپٹے کے آخری لمحات کی جیسے شفق  
 یورشِ اوہام سے پڑ مردہ ہو جیسے یقیں  
 فلسفی کے قلب میں جس طرح چھتے ہیں شکوک  
 کوچ میں ہو چاندنی جس طرح پچھلی رات کی

(۲)

ولے محرومی، مالِ حسن اور اتنا مہیب  
 پائنتی مجبور ماں بیٹھی ہوئی ہے سرنگوں  
 سیم و زر تو اک بڑی دولت ہو ربِّ العالَمیں  
 رحمِ سرما خالق کو نین مجھ نادار پر  
 سبک تو داتا ہے، مجھ ناچیز باندی کے خدا  
 پھیپھڑے ماؤف ہیں اور سانس کئے کے قریب  
 کہہ رہی ہو کس سے مانگوں بھیک، مولا کیا کروا  
 میرے گھر تو چند پیسوں کے سوا کچھ بھی نہیں  
 آج کی یہ رات بھاری ہے بہت بیمار پر  
 چند سکے، اے عظیم الشان چاندی کے خدا

# جوانی کا بستر مرگ

سبق عبرت کالے نادان ابا بول کی سفیدی سے  
 کفن اڑھا ہے جیتے جی، نگارِ زندگانی نے  
 نظر کر چھڑیوں سے شیب کے سمنے ہوئے رخ پر  
 یہ وہ بستر ہے، دم توڑا ہی جس پر نو جوانی نے





روکِ زندوں کو نہ تاویر کہ یہ دورِ بہار  
 زمینی و لطیف سے لے کام کہ دل کی باتوں  
 کیوں سنوں زمرِ مہِ مدعیانِ عرفاں !  
 جامِ دے جام کہ ہر قطرہ صہبائے کہن  
 کیفِ صہبا سے اُمنگوں کو جگا دے تو بھی  
 آج جی بھر کے پلا باغ میں گچھل ہوئی آگ  
 چہرہ خاک کی رنگینی و شوخی کی طرف  
 نشہ جس طرح چلتا ہے رگِ صہبا میں  
 ان کی خلقت نہیں حُورانِ بہشتی کے لئے  
 ہاں پلا آتشِ سیال کہ جس کی ہر بوند  
 ان کچلی ہوئی شاخوں کے ٹخک سائے میں  
 اب کہ یہ وقت ہے اک شمعِ سرِ جادۂ باد  
 شیخ کو کون یہ سمجھائے کہ گلِ رنگِ شراب  
 تجھ سے ممکن ہو تو اس درد کا درماں کرے  
 جوش کی بجٹِ صدارت میں پس و پیش نہ کر

موسمِ بندگی لالہ رُخاں ہے ساقی  
 زندگی کا رگہ شیشہ گمراہ ہے ساقی  
 بادِ خود کا شیفِ اسرارِ نہاں ہے ساقی  
 مصلحِ نسخۂ اجزائے جہاں ہے ساقی  
 فیضِ باراں سے ہر اکٹے رہ جواں ہے ساقی  
 کوہِ ساروں پہ گھٹاؤں کا دھواں ہے ساقی  
 عالمِ پاکِ بحسرتِ بنگراں ہے ساقی  
 سینہ ابر میں یوں برقِ تیاں ہے ساقی  
 یہ توڑ ہاد کی تسکلوں سے عیاں ہے ساقی  
 شمعِ محرابِ جہانِ گزراں ہے ساقی  
 مے کی اک بوندِ تسلعِ دو جہاں ہے ساقی  
 اُٹھ ا کہ یہ عمرِ رواں آبِ رواں ہے ساقی  
 مایہِ تربیتِ رُوحِ رواں ہے ساقی  
 زندگی کو مرضِ سودو زیاں ہے ساقی  
 جوشِ توبلہ زندانِ جہاں ہے ساقی

# صحنِ چمن

اُکھ پھر صحنِ چمن باغِ جناں ہے ساقی  
 کنج میں مرغِ چمن زاد ہے سرگرمِ خوش  
 آج خاشاک کے لب پر بھی ہیں شیریں نغمے  
 شاخساروں پہ ہیں مُرغانِ چمن گرمِ خوش  
 اس ترنم میں ازل ہے نہ ابد لے ہمارا  
 اس بستے ہوئے موسم کی ہر اک ساعتِ کیف  
 خار بدست ہیں گُل و جد میں کلیاں ستریا  
 بزم پر داد دئی ایمن کا گماں ہوتا ہی  
 پائے جاناں پہ کروں کیوں نہ پیائے سجد  
 غمِ ایکم پہ دم بھر کے لئے غور کریں  
 بے نظر ہو کے پائے کہ حقیقت میں قضا  
 کھول نغموں سے دہرِ مز و اشاراتِ کنج

دُور تک سلسلہ ابر رواں ہے ساقی  
 باغ میں بادِ صبا عطرِ فشاں ہے ساقی  
 آج ذرات کے مُنہ میں بھی زباں ہے ساقی  
 آسمانوں پہ گھٹا نعرہ زباں ہے ساقی  
 اس تلاطم میں زماں ہے نہ مکاں ہے ساقی  
 شبِ آدینہ ماہِ رمضان ہے ساقی  
 آج گلشن میں قیامت کا سماں ہے ساقی  
 آج وہ نورِ سرِ رطلِ گراں ہے ساقی  
 شورِ قاعل مجھے گلبانگِ ازاں ہے ساقی  
 اتنی فرصت تری مستوں کو کہاں ہے ساقی  
 بُردنوں کا فقط اک وہم و گساں ہے ساقی  
 سترِ خواباں بہ حدیثِ و گراں ہے ساقی

تنہم کی گوہر فشاں بجلیوں میں    پرستا ہوا لے کا پانی تو دیکھو  
 دم گنگو نرگسی انکھڑیوں میں    چمکتی ہوئی بدگسانی تو دیکھو  
 وہ سُن لیں تو اے جوشِ آفتِ مچا دیں  
 میری جُہارتِ شعرِ خوانی تو دیکھو !

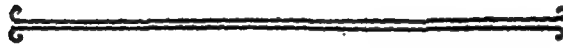


# جادو بیانی

ذرا اُس کی جادو بیانی تو دیکھو  
 پر اگندہ زلفوں کی پرچھائیاں ہیں  
 مچلتی ہوئی نرم گنستاریوں میں  
 سکھم کی رویں کھینچے ابروؤں کی  
 چمکتے سے اعصاب کے زیر و بم سے  
 لپکتی سی ڈالی، چمکتی سی بلبلس  
 ہر اک حرف ساغر کعبہ کی جلیہ میں  
 نہکتی ہوئی سانس کی تازگی میں  
 نہکتی ہوئی غم کے ولولوں کی  
 تلفظ کی نادیدہ انگڑائیاں ہیں  
 برستے سے فترے کھٹکتے سے جلے  
 لڑتے تازہ کی چھٹی چاندنی میں  
 نئے طور کی لہن ترانی تو دیکھو!  
 سن و سال کی ضوفشانی تو دیکھو  
 تڑپتی ندی کی روانی تو دیکھو  
 بہ این دلبری، قہرمانی تو دیکھو  
 اُبلتے ہوئے سے معانی تو دیکھو  
 ہجومِ خردش جوانی تو دیکھو  
 سرور سے ارغوانی تو دیکھو  
 لبِ لعل کی گمشتانی تو دیکھو  
 براہِ نظر تر جانی تو دیکھو  
 مژہ کی ذرا پریشانی تو دیکھو  
 جوانی کی شیریں زبانی تو دیکھو  
 نمِ شہم کی گوہر نشانی تو دیکھو

نہ موج سوز، بہ طنبوِ خستگان اُٹھتی      نہ رقص دردِ بگل بانگِ عاشقان ہوتا  
 کبھی نہ غنچہ کون و مکان چٹک سکتا      کبھی نہ طغلبِ ارض و سما جواں ہوتا  
 خدائی قلب کا ہلکا سا وسوسہ ہوتی      خدا ضمیر کا دھندلا سا اک گماں ہوتا  
 بلند و لپٹ کی نبضیں جھپٹی جھپٹی رہتیں      حیات و موت کا چہرہ دھواں دھواں ہوتا

خدا۔ نکرہ جو ہوتا یہی مزاجِ حیات  
 نہ جانے جو نش ٹھکانا مرا کہاں ہوتا



# اگر قدم نہ محبت کا درمیاں ہوتا

اگر قدم نہ محبت کا درمیاں ہوتا  
 تو اسے عشق نہ کرتی اگر حُدی خوانی  
 نہ چھیڑتی اگر انسانیت ترانہ شوق  
 سرا حیوں کی ہر اک بوند اشک بن جاتی  
 نہ یہ بہارِ طرب خیز و غم بُرا ہوتی  
 نہ قدرِ زمزمہ لعلِ دل نشیں ہوتی  
 نہ یہ خرامِ نسیم بہار کو بلاتا!  
 نہ خونِ تازہ ٹپکتا دلِ برہمن سے!  
 نہ کوئی زمزمہ عسبر جاوداں سُنتا!  
 نہ عقلِ عشق و جوانی کے مجید پاسکتی  
 نہ آدھ سربِ لبِ زندگی پہ آسکتی  
 نہ کوئی نسیم بدنِ آفتِ زماں بستا

تو یہ زمین ہی ہوتی نہ آسماں ہوتا  
 نہ کارواں، نہ کوئی میرِ کارواں ہوتا  
 زمانہ گشتہ تسبیح قدسیاں ہوتا  
 جو اینوں کا ہر اک عشوہ رائیگاں ہوتا  
 نہ یہ فروغِ منتِ تہذوارِ عواں ہوتا  
 نہ شورِ عریکہ حُسنِ بے اماں ہوتا  
 نہ یہ نظامِ ستاروں کے درمیاں ہوتا  
 نہ آب و زنگِ نقوشِ رُخِ بیاں ہوتا  
 نہ کوئی بہرہ و رِمرگِ ناگہاں ہوتا  
 نہ علم، لالہ رُخوں کا مزاجِ داں ہوتا  
 نہ خونِ گرمِ رگِ دہریں دواں ہوتا  
 نہ کوئی زہرہ جہیں فستہ جہاں ہوتا

# مظلوم بچہ

بحسرت مالکہ کے حکم سے اک ناتواں بچہ  
 سحر کا وقت ہے، شادابیاں ہیں نرم جھونکوں میں  
 پیائے کھیل کا میران جب آواز دیتا ہے  
 صدائیں کھیل کی آ آ کے جب اوسان کھتی ہیں  
 قافہ کسنی کا دل میں جب دھویں مچاتا ہے  
 دواؤں میں جب گلی سے گیند کی آواز آتی ہے  
 جھکا، میداں میں جھاڑو سے رہا ہیگہ تہنا  
 گلی سے آ رہی ہیں کھیل کی مخلوط آوازیں  
 ذرا سا سر اٹھا کر مالکہ کو دیکھ لیتا ہے  
 اُسے اپنے جگر پر چھو کر یں محسوس ہوتی ہیں  
 لرز اٹھتا ہے، گردن موڑتا ہے، سر کھجاتا ہے  
 رنجِ طفلی پر پاک بیچارگی سی دور جاتی ہے

غریب افلاس! تجھ کو دھیان میں لاتی نہیں دُنیا  
 ترے معصوم بچوں تک کو پہلاتی نہیں دُنیا

# چادر کی بھیک

معاذ اللہ اس شدت کی سردی      نہیں چرٹھتا کسی صورت سے پارا  
 ترشح ہو رہا ہے ہلکا ہلکا      دھوئیں میں گم ہے دریا کا کنارہ  
 صدایہ دے رہی ہے ایک بڑھیا      کہ بابا میں بہت ہوں بے سہارا  
 ہوا میں چل رہی ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی      اڑھاد کوئی اک چادر خدارا  
 مدد میں کر سکوں اے جوش کیوں کر      کہ خود گردش میں ہے میرا ستارا  
 فقط ہلکی سی اس بڑھیا کو چادر  
 خدایا! داؤرا! پرور دگارا!!





سینے میں نوکِ شعر چھٹی، آنکھ مجھک گئی رگ رگ چلی، زبان ہلی، سانس رگ گئی

چہرہ سستا، دراز ہوا، سرد ہو گیا سمٹا، کھنچا۔ اُداس ہوا، زرد ہو گیا

تھوڑی سی نبضِ نطق چلی اور ٹہر گئی

اک چمچِ مٹھی کہ کون و مکان سے گزر گئی!



# تحسینِ ناشناس

سُنئے ہی میرے شعر بہ افراطِ اضطراب  
گنتی کہی جو کھل نہ سکے کھولنے لگا !!  
افشائے رازِ جہل کی دہشتِ سماگنی  
شرمندگی، خرد کی سپردھوٹنے لگی  
ردہ کے ندیاں سی چڑھیں براثر گیس  
کچھ اور خال و خط کو بنانے لگے نہ حال  
دل، بازِ زعم و شرم سے بے جان ہو گیا  
ژولیدہ طرزِ نطق میں شوقِ نمودِ فہم  
آنکھوں میں دغہ بیوئی گہرا کے رُو منا  
بچے نے کپکپا کے بعدِ یاس و غا جزی  
تحسین کا طرزِ طرفہ تو ہم لئے ہوئے  
تار ہوئی لبوں پہ ٹھکانی ہوئی رنگ

اک ناشناسِ شعر کا اللہ کے بیچ و تاب  
آنکھوں میں وزن شعر کو دل تو لے لگا  
چہرے پہ کھنچ کے دل کی ہر اک ضرب آگئی  
معنی کو ہر سپاٹ نظر ڈھونڈنے لگی  
رُخ سے ہزار رنگ کی موجیں گزر گئیں  
بھٹکے ہوئے دماغ کے اُلجھے ہوئے خیال  
چہرہ تمام جنگ کا میدان ہو گیا  
آوارہ تیوروں میں یقینِ جمودِ فہم  
اخفائے جہلِ شعر کی سعی گریزِ پا  
میت اُٹھائی دعوئے عرفانِ شعر کی  
جھینپا ہوا خفیہ تبسم لئے ہوئے  
مڑنی سی خوب خوب "جمہیتی سنی" وارہ واد

## ترانہ بہار

پھر دامنِ صبا میں ہوئے خانہ آج کل  
 پھر عقل میں ہوئے عنصرِ وحشت کی خواہگی  
 پھر جوشِ پر ہے موسمِ بہارِ جمال  
 پھر صدرِ بزمِ حسن ہے عشقِ زمانہ سُور  
 پھر لائقِ سجدے مینائے زرنگار  
 پھر فرشِ پر ہے جلوۂ افلاکِ انِ دلوں  
 پھر زندگی، زمان و مکاں پر ہے حکمِ اراں  
 پھر ہر خدا پرست ہے آوارۂ بُستاں  
 پھر ہر ندش ہے ایک گلستانِ زلف و رُخ  
 پھر ہر کلمہ ہے تاجِ ملوکانہ انِ دلوں،  
 پھر ہر غلامِ دہر ہے آقائے بحر و بر  
 پھر شادماں ہے جذبۂ گستاخِ انِ دلوں  
 پھر ہر نفس ہے گردشِ پیمانہ آج کل  
 پھر فقر میں ہے شوکتِ شاہانہ آج کل  
 پھر باڑھ پر ہے عشوۂ ترکانہ آج کل  
 پھر کارِ سازِ شمع ہے پروانہ آج کل  
 پھر قابلِ طواف ہے خُمِ خانہ آج کل  
 پھر عرشِ پر ہے نعرۂ مستانہ آج کل  
 پھر وقت میں ہے نوحۂ غلامانِ تلج کل  
 پھر ہر خرد فروش ہے دیوانہ آج کل  
 پھر ہر کلی ہے ایک صنمِ خانہ آج کل  
 پھر ہر حرف ہے گوہرِ یک دانہ آج کل  
 پھر ہر کنیزِ شہر ہے سلطانہ آج کل  
 پھر کامراں، ہی جراتِ زندانہ آج کل

جس پر نثارِ کون و مکاں کی حقیقتیں

پھر کہہ رہا ہے جوشِ وہ افسانہ آج کل

# خار دیتا جا!

گزر رہا ہے ادھر سے تو اے سہیل  
 کلی کو خندہ کُل کی ادا عنایت کر  
 ہجوم یاس میں جکڑی ہوئی انگلیوں کو  
 دیارِ عشق و محبت کی بے غروشی کو  
 بساطِ غم پہ مچلتی ہوئی تمنا کو  
 ادا و ناز کے دربارِ شہریاری میں  
 سیاہیِ شبِ تاریک تیرہ بستی کو  
 جلالِ جنبشِ مرزاگان نامتسامی کو  
 نویدِ رحمت پروردگار کے حامل  
 یہاں ہے دولتِ نقش و نگارِ گلزنِ گنگ  
 ہجومِ دردِ شبِ انتظار کا صدقہ  
 خدا بچائے غمِ روزگار سے تجھ کو  
 غریبِ جوش کو دیتا نہیں پھول اگر  
 مرے چمن کو بھی زنگِ بہار دیتا جا  
 نسیم کو نفسِ مشکبار دیتا جا  
 خرامِ موج و زرمِ آبشار دیتا جا  
 نویدِ ربط و چنگ دستار دیتا جا  
 پیامِ دولتِ صبر و قنوت دیتا جا  
 گدائے خاک نشیں کو بھی بار دیتا جا  
 تبسمِ سحرِ لالہ زار دیتا جا  
 جمالِ چشمکِ تکمیل کا ردیتا جا  
 نویدِ رحمت پروردگار دیتا جا  
 مجھے بھی دولتِ نقش و نگار دیتا جا  
 دوائے دردِ شبِ انتظار دیتا جا  
 کسی کو دادِ غمِ روزگار دیتا جا  
 تو حار میں بھی ہیں سو پھول، خار دیتا جا!

# دوتا بوت

پلیٹ فارم پر رکھے ہوئے ہیں دوتا بوت  
 ادھر حیات کا ذوق مسافرت پر شور  
 ادھر حیات کی اٹھتی جوانیاں گل پوش  
 ادھر حیات کا دریا ہے ساکن و پایاب  
 یہی ہے اصل میں لفظ حیات کا مفہوم  
 یہی نتیجہ ہے کیا ذوق کا مرانی کا؛  
 بشر کا وہیم خزان وہاں کیا کہتے  
 اصول سے ہے معرکہ ایسے ہجوم اصول  
 ہر ایک سانس میں گوسو حجاب اٹھاتا ہے  
 ان آفتوں میں مگر غور کیا کرے کوئی؟  
 ہوا کریں جو ہر ایک سانس میں ہیں سو آفات  
 دل حسین کو فکرِ فرات بخشی ہے  
 یہ کس کے ذوقِ ستم نے حیات بخشی ہے؟

ادھر خروش و تلاطم، ادھر مجرّبہ و سکوت  
 ادھر مُتات کی خاموشیوں کا رنج سوائے گور  
 ادھر مُتات کی سنجیدگی کفنِ بردوش  
 ادھر ہیں قص میں موجیں، ابھر رہے ہیں حجاب  
 بتاؤ راہِ سروانِ دیارِ نامعلوم!  
 مال ہے یہی محبوبِ زندگانی کا؟  
 فریبِ ہستی ناپائیدار کیا کہتے  
 بشر سے بڑھ کے نہیں ہے کوئی ظلوئم چھوٹ  
 مگر ستم ہے کہ پھر بھی فریب کھاتا ہے  
 اگر جیے نہ تو پھر اور کیا کرے کوئی؟  
 ہر ایک دل کو عطا کی گئی ہے حُبِ حیات

زندگی میں پھر نہ اُس موسم کو پائیں گے کبھی  
 بائے وہ بیٹے ہوئے دن اب نہ آئیں گے کبھی

## انکشافِ توحید

فُصولِ بدوش ہر کالی گھٹا اندھیری رات  
 فضاؤں پر نہ تلاطم، نہ بجلیاں، نہ گرج  
 مزارِ عرش پہ سنجیدگی، دُعا بر لب  
 دُواں ہے لشکرِ سُودِ زیاں، عیناں بہ عیناں  
 دماغِ ددل سے بیک وقت چیخ کر رہی  
 جو سامنے ہے تو بس اک حقیقتِ کُبریٰ  
 فریبِ غمزہ، اشکالِ وعشۃِ آسمان  
 بر بے کعبہ جوہر ہے کوئی شے نہ عرض  
 زمانہ دستِ وگریزاں استلاحوں پر  
 بس اک وجود میں گم ہے تمام موجودات  
 یہ رازِ دوست ہے جو شے ناآلِ اندیش  
 تمام ارض و سما کے چراغ ہیں خاموش  
 زمیں پر نہ تبسم، نہ زمزمے، نہ خروش  
 بساطِ خاک پہ دہشت، جلالِ درآغوش  
 رواں ہے قافلہ کرب و کیفیت، دوش بدوش  
 ہوائے نرم، باندازہٴ پیامِ سر دوش  
 تمام ارض و سما کا ظلم ہے رُوپوش  
 نقاب اُٹھاتے ہوئے دشت میں ہی جلو فروش  
 خُدا گواہ کہ فردا ہے کوئی چیز نہ دوش  
 کسے خبر کہ ہے برا منطلاح کفر بدوش  
 تمام عالمِ مستی تمام عالمِ ہوش  
 سیاہکارِ اُخدا کے لئے خموش، خموش !!

سیپیوں کو دیکھ کر دل کو وہ ہوتی تھی خوشی!  
صحن میں پہچکی ہے گویا موتیوں کی چاندنی

بول اے مٹتی ہوئی تصویر، اے نقش و فَا  
یاد ہے وہ دُور جیب میں خود بھی اک تصویر تھا!  
خال و خط میں نُور سا، اور نُور میں موجِ سُرد  
پُر سُرد آنکھوں میں آبائی امارت کا غُور  
چال میں طوفان کی رُو، دل میں ساون کا خوش  
خُون میں بہتے ہوئے چشمے کا بے باکانہ جوش  
لب پہ اک موجِ تبسم، رُخ پہ کلیوں کا سازنگ  
رنگِ رُخ میں تیز قواروں کی بے پروا اُمنگ  
کان میں سونے کا دُر، اور جسم پر اچکن سیاہ  
بانکپن کے ساتھ پیشانی پہ جہر نیلی کُلاہ  
آہ اے تصویر! جیب ناواقفِ تمیز تھے  
اُن دنوں ہم دونوں پہروں دیکھنے کی چیز تھے

جھانکنے لگتا تھا اس کھڑکی سے جب نورِ سحر  
 مُنہ سے بول اُٹھتی تھی یہ تصویر مجھ کو دیکھ کر  
 آسماں پر گھر کے آتا تھا جب ابرِ نو بہار  
 گنگنا اُٹھتے تھے اس تصویر کے نقش و نگار  
 شب کو جب فانوس سے چھپتی تھی دھیمی روشنی  
 جگمگا اُٹھتا تھا اس چٹھی کا سونا اور بھی  
 مُنہ اندھیرے دیکھ کر اس کی سنہری دھاریاں  
 خاک پر محسوس ہوتی تھیں مجھے گلِ کاریاں  
 شب کو اس کے پاس جب لبانِ سلگاتا تھا میں  
 اس کے آغوشِ فسوں پر دریں سو جاتا تھا میں

ہائے وہ بھلی کے دن بھی کیا تھے اے زخمی شباب  
 خاریں انگریزیاں لیتے تھے جب لاکھوں گلاب  
 تنگ نالے تک جوابِ آبِ رُکنا باد تھے  
 ایک اک قطرے میں لاکھوں میکدے آباد تھے



# پرائی تصویر

ہاں یہی تصویر ہے جس کو بڑے ارمان سے  
 میری غفلت نے پھٹرایا متناجک کے تھکان سے  
 اور پھر بیتاب ہو کر تازہ دم جذبات سے  
 جس کو چیکا یا تھا الماری پر اپنے ہات سے  
 اُس کا اک چھوٹا سا ٹکڑا آج بھی تابندہ رہی  
 یہ بھی اتنی زندہ ہے، جتنا مرادِ دل زندہ ہے  
 ہائے وہ بے داغ راتیں، آہ وہ شفقتِ دین  
 گوشہ گوشہ امن پر درِ ذرّہ مُطہین  
 دل بھرا آتا ہے رہ رہ کر، کہیں تو کیا کہیں  
 ہائے اس خلوت گیر معصوم کی آرائشیں  
 فتنے، گمخیزیاں، کھلونے، بانسری، البم، ستار  
 سپیوں کا نور، جھاڑوں کا کھسکنا۔ بار بار

# تسلی

بُزِ دِلو! اتم کیوں سیاسی کشمکش سے ہوا داس؟  
 ہاں، تمھارے بال و پر کو ٹھپو نہیں سکتی کمند  
 گلستاں میں مُرخصتِ پروازِ حامل ہے تمہیں  
 ہمتِ صیاد کر سکتی نہیں تم کو پسند  
 ”شہپرِ زانغ و زغن، شایانِ قید و بند نیست  
 این کرامتِ ہمرہ شہباز و شاہیں کروہ اند  
 (حافظ)

اور تم ہو کہ دنیا ہو کہ نہ تو پہنتے ہو، اور نہ روتے ہو  
 بل کے ہوتے ہو اس طرح بے حس  
 جیسے یہاں کے سامنے مفلس !

## دعوتِ کیفیت

وقتِ ٹنک ہے، شغلِ مئے ارغواں کریں  
 آؤ دعائے دولتِ پیرِ مغاں کریں  
 اک موجِ نغمہ فرش پہ ہو، ایک عرش پر  
 یوں خوں میں سفینہ مے کو رواں کریں  
 ہو جائے آبِ آبِ برستی ہوئی گھٹا  
 یوں، آؤ صحنِ باغ میں جو لائیاں کریں  
 حسبِ مزاج، دہر کو بخشِ حیاتِ نو  
 حسبِ مُراد قاعدۂ آسماں کریں  
 یارو، رباب اٹھاؤ کہ بوندوں کی تال پر  
 مدحِ شرابِ کُہنہ و حُسنِ جوان کریں  
 جن معجزوں پہ کاوشِ قدرت کو ہے غرور  
 وہ معجزے بہ مجنّشِ رطلِ گراں کریں  
 ہاں پیش کر کے جو شکیں دُنیا کے سامنے  
 آؤ بلند رتبہ ہندوستان کریں ؟

# رفقائے اکبر آباد

دل وفا کا ہے ثَم سے فریادی  
بے رُخی کی بہت ہو خُتم میں  
خُسن میں خیر ایک لاگ تو ہے  
اور تمھارا تو ہے عجب برتاؤ  
بعد یک عثم بھی ہو گر بِلنا  
ہنستے ہو اور نہ مُسکراتے ہو  
رہتی ہے خال و خط پہستولی  
کر کے برتاؤ ا جِنیت کا  
تم میں بیگانگی جو پاتی ہے  
بو کھلا بحرِ فتنہ بلاتے، ہو  
جانور تک ستم ہے دُنیا میں  
ناچتے ہیں دُشمن بلاتے ہیں

اے رفیقان اکبر آبادی  
حُسنِ بے مہر کی ہے یو ثَم میں  
نہ سہی لطف، غم کی آگ تو ہے  
لاگ ہی جس کو کہ سکیں، نہ لگاؤ  
جانتے ہی نہیں ہو ثَم بکھلنا  
بے تعلق نظر اٹھاتے ہو  
جُون کے آسمان کی خُشکی  
توڑ دیتے ہو دل مُحبّت کا  
نبضِ احساس مچھوٹ جاتی ہے  
پاس آتے ہی تھنپ جاتے ہو  
ہل کے اک دوسرے صحر میں  
دوڑ کر منہ سے مُنہ بلاتے ہیں

# فروعِ یادہ

جلاہوں سوئے خمُستاں پیئے فِشردہٴ سماک  
 فدائے جامہٴ صد چاکِ اہلِ وحشت باد  
 فروغِ بادہ سے ہے خاکِ یوں میں فہِ خروش  
 فدائے ہمتِ خدامِ حضرتِ ساقی  
 ہوئے نہیں ہیں مُسخر ہنوز شمس و شمر

نگاہِ رو برو، اے ساکنانِ عالمِ پاک!  
 ہزار خرقہٴ افکار و خلعتِ ادراک  
 محلِ سجدہ ہے اے نورِ یانِ ہفتِ افلاک  
 نہ زندگی سے تعلق کوئی، نہ موت سے پاک  
 ہنوز وقتِ تپش ہے ہر ایک ذرہٴ خاک

خدا شراب کو اے جو شِشِ سُرخِ زور رکھے  
 پیئے علاجِ لبِ خشک و دیدہٴ مناک

اللہ اللہ اس قدر عدل وِتنا شب کی کمی  
 اُس طرف بھی آدمی تھے، اس طرف بھی آدمی  
 کوئی محروم، اور کوئی رحمتوں سے بہرہ مند  
 آدمی، اور آدمی میں اس قدر لپیٹ و بلبند  
 آہ اس منزل سے بے ماتم گزر سکتا ہی کون؟  
 جُز خدا اس ظلم کو برداشت کر سکتا ہی کون؟

---

اُس طرف ہر آنکھ میں غلطی دہ تھی فکرِ معاش  
 اِس طرف چہرے تھے روشن، اور سینے بے غم  
 اُس طرف سرگشتہ تھا بے برگ و بار کئی شعور  
 اِس طرف اٹھلارہا تھا ساز و سماں کا غرور  
 چیتھڑوں میں اُس طرف لپٹی ہوئی تھی زندگی  
 اِس طرف تھی نخل و سنجا ب کی رخسارگی،  
 اُس طرف ہمت کا سر رکھا ہوا تھا خاک پر  
 اِس طرف تھے ولولوں کے نقش پا افلاک پر  
 اُس طرف موجِ نفس، اک نالہ بتیاب تھی  
 اِس طرف نارسکوں پر ذہن کی مِرصاب تھی  
 اہِ ان دونوں میں اک شے مشترک جو بھرنہ تھی  
 ان کے جوتوں پر چپک تھی، اُن کے چہرے تھی  
 اُس طرف دردِ زریاں تھا، اِس طرف تکمیلِ ہود  
 ہو رہی تھی آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ گفت و شنود

# ایک مقابل

اُس کا وہ درجہ جس میں ریل کے مزدور تھے!  
 آکے ٹھیرا دوسرے درجے کے بالکل سامنے  
 اُس طرف ناپاکیاں تھیں، خاک کا انبار تھا  
 اِس طرف ہر ذرہ گویا مصر کا بازار تھا  
 اُس طرف وہ درجہ کیا، اک دیدہ بے نور تھا  
 اِس طرف تقدیر سے روشن چراغِ طور تھا  
 اُس طرف جو رخِ حال تھا، اِس طرف لطفِ بہار  
 اُس طرف مزدور تھا، اور اِس طرف سرمایہ دار  
 اُس طرف جانِ حزیں تھی، موسمی جلوؤں سے دُور  
 اِس طرف تھا سایہ ابرِ خسراں کا سُور  
 اُس طرف سامانِ دل تنگی تھا چوٹے کا دُعاواں  
 اِس طرف پہروں چیمیں ٹھنڈی ہوا کی سُرخیاں



# کرب کی آواز

|                           |                              |
|---------------------------|------------------------------|
| ابن آدم کی شاد کامی کا    | مسئلہ ہے عجیب زہرہ گداز      |
| آدمی کھل کے ہنس نہیں سکتا | غصہ نہ بخشنے اگر پیر و از    |
| ایک کلفت کا عارضی انجام   | ایک وقتی طرب کا ہے آغاز      |
| سبزۂ نرم و بستر سنجاب     | خار و خس کا ہے فرشِ پا انداز |
| جس میں پنہاں ہو خراشِ الم | کو نسا ہے طرب کا وہ انداز    |
| ایک پڑمردگی نامحسوس       | دہر کی ہر شگفتگی کا ہے راز   |
| ایک مبہم سا لوحۂ ابدی     | چھپتا ہے مسرتوں کا ساز       |

قیقہ تک میں جوش غلطاں ہی

ایک دھیمی سی کرب کی آواز

# ایک قیامت کی ادا

ہم سفر تھی مرے اک بار کوئی زہرہ جمال  
آج تک اُس کا یہہ انداز مرزا دیتا ہے  
نام پوچھا تو کچھ اس طرح بتایا اُس نے  
بس طرح کوئی خزانے کا پتا دیتا ہے

## شاید کام پڑے

ایک معزول محمد کے پاس بیٹھے دیکھا جو آج یاروں کو  
میں نے کہتے سنا بہ لجنِ خموش اُن کے عالم فریب اشاروں کو  
”پھر اگر برسرِ عمل آنا  
قبول جانا نہ خاکساروں کو“



# کمندِ عشق

واقعہ بھی ہو کہ حلقہ حسن و جمال ہیں  
 ہر گل پکارتا ہے کہ ہاں میں ہوں عند لیب  
 بہ سبز بچہ رہا ہے کہ پامال کر مجھے  
 شانہ تھا کون جس پہ نہ زلفیں کجہر گئیں  
 جلوؤں نے ہر قدم پہ رکاب آ کر چوم لی  
 آخر حدودِ حلقہ بگوشی میں آ گیا  
 افراطِ شوق سے نگراں ہو مری طرف  
 اللہ ری میری کبر شکن خاکساریاں

ہمراز! مرتبہ ہے مرا کس قدر بلند ؟  
 ہر ناز کہہ رہا ہے کہ میں ہوں نیاز مند  
 ہر غنچہ کھلتی ہے کہ ہو مجھ سے بہرہ مند  
 میرے غرورِ عشق نے پھینکی جدھر کند !  
 میری نگاہِ شوق نے موڑا جدھر سمند  
 جس ناز کو نیاز نے میرے کیا پسند  
 کتنے رُخوں کی چاندنی، کتنے لبوں کا قند  
 سو بار سرنگوں ہوئے خوبانِ سر بلند

”آہنا کہ آہوانِ حرم را کنند صید  
 در آرزوئے نازکِ خیمہ انگنِ میند“  
 (عرفی)

# دُہری خدمتیں

تجکوائے دل! خود تڑپنا بھی ہے تڑپانا بھی ہے  
 آسمان نے کی ہیں دُہری خدمتیں تیرے سپر  
 تجھ کو راہِ زندگی پر صرف آنا ہی نہیں  
 صرف سُننا ہی نہیں تجکویں پیامِ داروگیر  
 تا کجا دیکھے گا خود ہی جو ہر تیغِ اُصیل  
 ہو چکا بس دُور سے نظارہ لپست و بلند  
 مُنہ سے کہنا ہی نہیں ہے موت کو ”عمرِ خضر“  
 موت سے بڑھ کر نہیں کوئی نگہاں زلیست کا  
 منتِ ساقی کا خود پینے سے تو گردن میں طوق  
 ورنہ تیرے دل میں صہیا بھی ہی پیمانہ بھی ہے

# تاج کاسایہ

ایک ظلمت سی آرہی ہے نظر آج ہندوستان کے ماتھے پر  
 لیکن لے نا شناس پیل و نہار تیرہ بجتی کے یہ نہیں آواز  
 بلکہ قدرت نے، بادلِ خُرسند تاج کو تابہ سر کیا ہے بلند

یہ جو ظلمت سی آج طاری ہے  
 سایہ تاجِ شہر یاری ہے

---

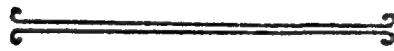
# ناصر مشفق سے خطاب

تُم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ زہنہ سار نہ پینا  
 کیس طرح نہ ڈوبی ہوئی نظروں کو ابھارو  
 کیا عقل ہے کہتے ہو مجھے مائل پستی  
 واللہ کہ فیضانِ مے ہوشِ ربا سے  
 دن کو بھی وہی عقل ہوشِ کو بھی ہی ہوش  
 کیا قہر ہے شب کو بھی نہ ڈھالوں مے گل رنگ  
 واللہ اگر دوں نہ مے ناب کے چھینٹے  
 افسوس کہ اب تک تمہیں معلوم نہیں ہے  
 تُم کس لئے جلتے ہو، اگر آتشِ تریں  
 اے ضابطہ موسم و اوقات کے پابند  
 یہ کیوں نہیں کہتے کہ خبر دار نہ دنیا  
 کیوں کر نہ جڑوں کی انگوٹھی نہ پینا  
 میں عرش پہ چڑھنے کو لگاتا ہوں جو زینا  
 انسان سے انسان کو رہتا نہیں کینا  
 کوثر کی قسم موت سے بدتر ہے یہ دنیا  
 دن بھر تو بہاتا ہوں میں جیپا رہ لپینا  
 جلتا ہی رہے شب کو بھی جلتا ہوا سینا  
 پینا ہے تو جینا ہے، ہو جینا ہے تو پینا  
 کھیتا ہے کوئی شخص جوانی کا سینا  
 مے خانہ کی ہر رات ہے ساون کا مہینا

واللہ کہ یوں مے سے دکھتا ہے دل جو سس  
 الہام سے جس طرح جھلک اٹھتا ہے سینا

ہسربال میں مجھ پر فشانہ  
 گزری ہوئی شامِ نوجوانی  
 بیکسی سی، لبوں پہ مسکراہٹ  
 پیری کے قدم کی دل میں آہٹ  
 ماتھا، دھڑکن سے بسلا سیلا  
 انگڑائیوں کا کھچاؤ ڈھسلا  
 نکستی ہوئی سانس آرزو کی  
 عشوے پیاسے، نگاہ بھڑو کی  
 کب سے ہے شباب، گرمِ رحلت  
 اللہ ری، نزع کی طوالت

بے چین ہے، گو بہنی ٹھننی ہے  
 یہ رقص نہیں ہے، جانگنی ہے





# قصہ یایا نکمی؟

آئی ہے بعدِ بزارِ حسرت  
 کعبہِ انگیرا کے آنکھ اٹھاتی  
 ہنگامہِ فستج، آبِ وگل میں  
 گمگشتی ہوئی عسکر کی کمائی  
 بجھتی ہوئی رُخ پہ مشعلِ ناز  
 چشمِ وزخسار پر بہ عسرت  
 تھرائی ہوئی شباب کی کو  
 اڑتی ہوئی خاک سی جہیں پر  
 سر پہ پیری، کر یہ کھستی  
 رُخ پر خارہ، عروقِ جہیں پر  
 ہونٹوں پہ خلیفتِ سرور ہیں  
 کبھی سی نظر کی شراستِ نئی

اسٹیج پر اک ادیبہ عورت  
 تقدیر پہ بیچ و تاب کھاتی  
 احساسِ شکستِ فاشی میں  
 پیری کی گرفت میں جوانی  
 لہجے میں شکستِ ل کی وار  
 پیری کے نشانِ پاکی ہیبت  
 وزخسار پہ چھتر یوں کھڑی ہو  
 اشکوں کا تھنورا ستیں پر  
 سرور کی مسانِ ترقی ترقی  
 دینِ مہربان و مہربان  
 گونئی بچی جسکی گاہیں  
 مشرق کی ہوئی آوازِ بان

# پیامِ آسودگی

کل صبح، صحنِ باغ میں اک شاعرِ نمبور  
 کہتا تھا یوں کہ سینہ ظلمت ہے گنجِ نور  
 مرہم کا اہتمام ہے ہرزخم کی خلش  
 درماں کا ساز و برگ ہے ہر درد کا و فور  
 ہر آہِ دل خراش ہے ہمرشتہٗ نشاط  
 ہر اشکِ لالہ رنگ ہے سرمایہٗ سرور  
 غربت کے دور میں ہے نہاں موسمِ وطن  
 غیبت کے ساز میں ہے تپاںِ نغمہٗ حضور  
 ہر خارِ زاریِ بیم ہے پیمبرِ امید  
 ہر دامنِ سیاہ ہے پروردگارِ طور  
 بیدارِ زندگی سے اگر درد مند ہے  
 آسودہ رہ کہ داؤے گی تجھے ضرور

# سیہ فام

اے کہ گیسو کی طرح نرم و سیہ فام ہے تو  
 چشم بد دور کہ حالِ رُبِخِ ایتام ہے تو  
 تیرے چہرے کی سیاہی ہے خلافِ کعبہ  
 شبِ تاریک میں رعنائی الہام ہے تو  
 تیرے چہرے میں ہے افسانہ ایماںِ لغیب  
 نقطہ دائرہ مسلکِ اسلام ہے تو  
 نشہ گیتی کے لئے تو ہے سیہ مستِ سحاب  
 خستہ دنیا کے لئے نیند کا پیغام ہے تو  
 تیرے عارض میں ہیں ساون کی اندھیری راتیں  
 صبحِ وعدہ کی دل افروز خنکِ شام ہے تو

# ساقیا

ساقیا، وہ گھٹا اٹھی کالی  
 لے سے خوشتر نہیں کوئی وارث  
 ذال بچہ طرح نیک اعمالی  
 خود مشیت ہے آج متوالی  
 بلہی کی قسم، بہشتی ہیں  
 عمر نوح و خضر سے بہتر ہے  
 تراحد مدظلہ العالی  
 اک نفس کی بھی فارغ البالی  
 لعلہ الحمد جو شش میکش ہے  
 اور میکش بھی میکش غسالی



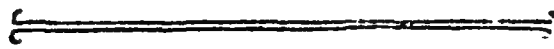
# دیوانہ فلسفی

نغمہ منکر کا بنایا تھا  
 بھول کر بھی کبھی محبت سے  
 جان سو بار اگرا کر دو  
 جس کی سنجیدگی معاذ اللہ  
 جس کی ہر ایک سانس وقتِ جلال  
 مغز جس کا سڑا ہوا لیوں  
 شوقِ تفسیرِ حق و ذوقِ رنگینی،  
 جس کے کردار میں جنون و جمود  
 لائقِ دارِ جس کا ہر انداز  
 جس کا ہر فعل، عقل کا دشمن  
 وضع دیکھو تو طاعِ حکمت  
 ”طرفہ معجون تو بہت ہونگے

میں ایسے کو جوش مانکر و قون  
 گرم ہوتا نہیں ہے جس کا خون  
 جو نہو ایک بار بھی مٹنوں  
 جیسے افسرِ لہ کے دیار میں جو  
 کارِ بولک کا تندر بومِ بالوں  
 عقل جس کی، جلی ہوئی افسیوں  
 جس کے نزدیک مہیضہ و طاعون  
 جس کی گفتار میں علوم و فنون  
 قابلِ داد جس کا ہر مضمون  
 جس کا ہر قول، شیخ کا قانون  
 اور باتیں سُنو تو افلاطون  
 خیر سے وہ ہے ”طرفہ تر معجون

اُس کو دیکھو، اگر نہ دیکھا ہو  
 فلسفی کے لباس میں مجنون!

بجڑی جوبات خلق کے تہور بگڑ گئے ملتے تھکتے ٹھٹھک کے جو وہ بکا یکا کر گئے  
 میدان سے پاؤں اہل وفا کے اکٹڑ گئے دم میں شبانہ روز کے ساتھ ہی بچھڑ گئے  
 دوش صبا پہ رات کے افسانے اُڑ گئے  
 گل ہو گئی جو شمع، تو پروانے اُڑ گئے!



۲۱

آہ کہہ سکتے ہیں بے سارِ مئے کشان تیرے بغیر سرِ بزانو ہے گروہِ مَطرباں تیرے بغیر  
 آگئی ہے کشتی آبِ طرب گردا میں بچھ چکی ہے آتشِ رطلِ گراں تیرے بغیر  
 وہ یقینِ زندگانی، جس پہ کیا کیا ناز تھا رہ گیا ہے بن کے اک وہم گماں تیرے بغیر  
 آہ کہ تیرے بھر میں بے لالہ دُگل بے زیں آہ کہ بے شمس و قمر ہے آسماں تیرے بغیر  
 زرد ہے رُخسارِ گل، افسردہ ہو صبحِ صبا  
 آہ کہ برہم ہے مزانِ بوستاں تیرے بغیر

# بجھی ہوئی شمع

مُفلس ہوئے تو دہریہ عزت نہیں رہی      آنکھوں میں دوستوں کے مروت نہیں رہی  
محبوب کی نظر میں بھی اُلفت نہیں رہی      حدیہ سے ماں کی آنکھ میں شفقت نہیں رہی

دریائے بے کنارِ جوانی اُتر گیا

موتی کی قدر کیا ہو جو پانی اُتر گیا

وہ زمرے، وہ لے، وہ ترسٹم نہیں رہا      وہ چہچہے، وہ لطفِ سکلم نہیں رُھا

وہ بحیرِ دلبری میں تلاطم نہیں رہا      ہونٹوں پہ دوستوں کے تبسم نہیں رہا

جو دل سے تھے فدا، وہی لٹوٹنے لگے

جو ہات چومتے تھے وہ مُنہ پر موڑنے لگے

مُفلس کو سچ ہے دھیان میں لاتا نہیں کوئی      بے زر کو اپنے پاس بٹھا لاتا نہیں کوئی

بے آب آئینے کو اٹھا لاتا نہیں کوئی      روتے ہوؤں سے آنکھ ملا لاتا نہیں کوئی

چہرے سے آب اڑی تو کوئی جانتا نہیں

دُشمن تو کیا ہیں، دوست بھی پہچانتا نہیں

ندی اُداس، ہوا درِ ذناک، بِنِ غماوش  
 زمیں فُسوں بہ بغل، آسماں فسانہ بدوش  
 دورِ رویہ تار کے کھمبوں پر ایک پر تو راز  
 ندی کے موڑ پہ صحرائِ نشیں دیئے کا گداز  
 دیئے کی لُج جو ہواؤں سے چھللاتی ہے  
 فروغِ عمرِ گزشتہ کی یاد آتی ہے





# جادو کی سہریل

غروب، سلسلہ کوہسار، ویرانہ  
 سنار ہی ہے خوشی کو ریل آفسانہ  
 ادھر پہاڑ، ادھر کھیتوں کی پکڑنڈی  
 ہوائے شام کہیں گرم اور کہیں ٹھنڈی  
 ادھر ادھر کچھ اندھیرے میں مردوزن ہیں داں  
 کہانیوں کے وہ جن ہیں یہ خواب کی پریاں  
 سیاہیوں میں چمکتی ہوئی جینین سی  
 نظر کے سامنے، جادو کی سہریل سی  
 رخِ افق پہ سیہ دھاریوں کی باریکی  
 پہاڑیوں پہ گھٹا، جھاڑیوں میں تاریکی  
 شکستہ حال گیدوں کا ہجوم گھوروں پر  
 سیہ مشین کا بھورا دھواں کھجوروں پر

پتھر نہ تڑپوں گا کبھی ذاتی مسرت کے لئے  
 وقف ہو جاؤں گا آفاقی محبت کے لئے  
 زخم چوڑا لے گی تو دل میں رُلانے کے لئے  
 میں اُسے مرہم بنادوں گا زمانے کے لئے  
 عشقِ جاناں، عشقِ حُسنِ جاوداں ہو جائے گا  
 یہ ستارہ ٹوٹ کر خود اک جہاں ہو جائیگا  
 اور اونا ظالم! اگر تو نے نہ مانی میری بات  
 تنگ آ کر بند کردوں گا میں خود بابِ حیات  
 مبتلا ہونگا نہ او کا فر ترے طساعون میں  
 غرق ہو جاؤں گا خود اپنے ہی دل کے خون میں  
 خود ہی اس قیدِ عناصر سے رہا ہو جاؤں گا  
 تو اگر باقی رہی تو میں فنا ہو جاؤں گا  
 اور فنا ہو کر بقا کا ہم عصاں ہو جاؤں گا  
 قطرہ بیابانِ اُلو بخیر سیکراں ہو جاؤں گا

جب مرے سینے میں تو گھٹ کر فنا ہو جائے گی  
 خاک تیری، میرے حق میں کیسیا ہو جائے گی  
 خرمِ امتید، اس سینے میں جب جل جائے گا  
 غم کو ارضِ شادمانی کا پتا چل جائے گا  
 ایک دُکھتے دل کے اندر اور اتنا شور و شین  
 اے تمنا، یادِ سرِ ما مرگِ سُقراط و حسین  
 ہاں شہادت کے اُفق ہی پر لبِ زورِ شباب  
 مُسکراتا ہے حیاتِ جاوداں کا آفتاب  
 ہاں جب سینے میں تو گھٹ کر فنا ہو جائیگی  
 زندگی رازِ طرب سے آشنا ہو جائے گی  
 رُوئے انور کے نظارے بکیراں ہو جائیں گے  
 ”مُخْتَم و جُہ اللہ“ کے معنی عیاں ہو جائیں گے  
 دردِ دل کو، دردِ عالم کی دوا آجائے گی  
 میرے دل میں دُسعیتِ ارض و سما آجائے گی

پوٹ کھائے اڑو ہے کی طرح لہراتی ہے کیوں  
 آگ، ہاں دوزخ کی دل پر آگ برساتی ہے کیوں؟  
 انیوں گراتی ہے پیاسے بکلیاں؟ خاموش ہو  
 اے تمنا، اے جہنم کی زباں، خاموش ہو  
 اب نودل میں آگک بہتا ہے دریا، رحم کر  
 اے تمنا! اے تمنا! اے تمنا! رحم کر  
 کیوں تھکولے دے رہی ہے تھکولے زور میں  
 بند ہو جا میرے دل کے ٹھکانے پر شور میں  
 بند ہو جا قلب میں اے قلم کھنکھناتے در و ہاں  
 بند کر لے جملہ دروازوں کو چٹن لے کھٹکیاں  
 بند ہو جا اے تمنا بند ہو جا اس طرح  
 قبر کے گوشے میں رکھ دیتے ہیں میت جس طرح  
 بند ہو کر بیٹھ آتا منہ سج مشہ ہوش میں  
 رسکیاں نے لے کے سو جا موت کے آغوش میں

# اے تمنا!

دیکھ اے میری تمنا، اے عُدوئے صبر و ہوش  
 ترک فرما! یہ تلاطم، یہ ہمت و جوش، یہ خروش  
 تاکہ یہ کشمکش، یہ کرب، یہ کلفت یہ بار  
 کب تک آخر یہ تشنج، یہ تلاطم، یہ فشار؟  
 یوں گرج کر کیوں ہلاتی ہے جڑیں جذبات کی؟  
 گونجتی ہیں جس طرح راتیں بھری برسات کی  
 چھوڑ دے لبتہ تر سانا تر سنا چھوڑ دے  
 یہ گرجنا، یہ کڑکنا۔ یہ برسنا، چھوڑ دے  
 دل کو کیوں جھونکا ہے غم کے کھولتے گرداب میں  
 آنچ بن کر دوڑتی پھرتی ہے کیوں اعصاب میں  
 نواں میں کیوں تیرتی پھرتی ہے بل کھاتی ہوئی  
 دل کو دھڑکاتی ہوئی، آنکھوں کو برساتی ہوئی

تیرے ویرانے میں جا کر جب کھپا آہوں دماغ  
 دلوں کی ترتیوں کا مجھ کو ملتا ہے سُرِ غ  
 شب کو اُن قبروں پہ نو دیتے ہیں میٹل کو داغ  
 بچ تک تلے ہیں جن پر دھندلے دھندلے سے چراغ  
 کہتی اُن قبروں کی کوئیں مرکزِ آلام ہیں  
 ثبت جن پر میری مُردہ حسرتوں کے نام ہیں



# وَلُولوں کی تربیتیں

یاس! گو تیرا اثر ہے طبع پر ناخوشگوار  
 ہو چکا ہے تیرے ہاتھوں گو گریباں تارتار  
 گوڑے پہلو، تری تیرا فگنی سے ہیں نگار  
 پھر بھی برگشتہ نہیں تجھ سے دل آشفستہ کار  
 گو ترے ضربات سے آئینہ دل چور ہے  
 پھر بھی شاعر تیری عزت کے لیے مجبور ہے  
 تیری شامِ غم میں پہناں ہے مری صبح بہار  
 سو رہا ہے تیرے زانو پر دل اُمیدوار  
 تیرے قبضے میں ہے میرا جذبہ بے اختیار  
 تیرا دامن ہے مرے کھلائے پھولوں کا مزار  
 روح میرے شوقِ بید کی، تھے قابو میں ہے  
 مقبرہ میرے تبسم کا، ترے آنسو میں ہے

# حُسنِ بازاری

نہیں، مجھے نہیں مرغوبِ حُسنِ بازاری  
 کہ اُس کی آنکھ ہے مہر و خلوص کا مرقہ  
 و فاکو اُس کی سہی و سامتی نہیں تسلیم  
 کہ اُس میں بیچ ہیں بے انتہا، تو خمِ بے حد  
 ہزار داغ ہیں اک ایک بیل بوٹے میں  
 جھلک رہی ہے بظاہر اگر چہ یہ مسند  
 نعلائے عام ہے یا رانِ بواہوس کے لئے  
 کچھ اس سے بحث نہیں، کوئی نیک ٹوہی کہ بہ  
 من آنِ نگینِ سیماں بہ بیچِ نستانم  
 کہ گکا، گکا، برو دوستِ ابرمن باشد





جسے لوگ کہتے ہیں شاہنشاہی      نہیں مجھ کو منظور وہ ابلی  
 مجھے زر کی جانب نہیں التفات      مرا ایک حرف، اور تری کائنات  
 یہاں موت ڈرتی ہے آتے ہوئے      فقیروں سے آنکھیں ملاتے ہوئے

نہ گھبرا مجھے، غم نے نفرت نہیں  
 یہ رسم جنوں ہے شکایت نہیں



ہنر ہو اور اس درجہ بے آبرو

تقوٰ بر تو اے چرخِ گرداں تقوٰ!

الہی! سپاسِ ہنر و شہنی  
بڑھا اس طرف ساغرِ حباں کنی  
کدھر ہے خداوندِ بختِ دُرم  
سفاہتِ نوازی کی تجھ کو قسم  
نہ رکھ چُپول کو قیدِ خاکِ میں  
نچھپا دے مجھے پردۂ خاک میں  
مگر اے مُرتبی اہلِ ریا  
میں دیوانگی میں یہ کیا بک گیا

مری ذات کو کر سکے پائمال  
تری خاک کی یہ نہیں ہے محال  
تری ذات جب تک کہ ہو استوار  
مجھے چھو سکیں گے نہ لیل و نہار  
تری حُجّی و قیوّم پابندہ ذات  
یہ الفاظ دیگر ہے میری حیات  
مرے سامنے اے خدائے زہیں  
ترا سماں بول سکتا نہیں  
میری موت ہے یہ کہ زردار ہوں  
کہ شاعر ہوں دانائے اسرار ہوں  
مجھے تیر ہی دولت کی حاجت نہیں  
کہ دل میں یہ ذوقِ حماقت نہیں  
مرے دل میں اور لکشمی کا وقار  
جو رہتی ہے اُلٹو پہ دائم سوار

لے بند و منیات میں دولت کی دیوی یعنی لکشمی کی سواری اُتو ہے۔

اکابر کو مرکب بنائیں عوام  
 سر بزم کج و ان شمشیر زن  
 حرم محبت کے ارباب راز  
 سر بزم جہل، آئیں اہل نظر  
 کہے بند گان ہوس کو "حضور"  
 سخاوت پھرے مکر اتی ہوئی  
 بے خسار کو مراد نو بہار  
 اور اہل نظر، باہزاراں نیاز  
 مریدان دیرینہ اہرمن  
 رہیں فصل گل میں بھی بے برگ و بار  
 مچلتے ہوں جب آسماں پر شحاب  
 رہیں نسج سے شام تک بے گناہ  
 لیموں کی ہر شب ہو غرق شراب  
 رہیں فصلِ باراں میں بھی تشنہ کام  
 لیے ہات میں سیم و زر کی نگام  
 بنے بزدلی صاحبِ انہن  
 اٹھائیں ذلیل اہلِ درلت کے ناز  
 بشکلِ غلامانِ زریں کمر  
 خدایانِ علم و ادب کا غرور  
 "کرٹے کو پھڑے سے بجاتی ہوئی"  
 میسر ہو اندھوں کو روئے نگار  
 اسیر تمنائے زلفِ وراز  
 خزاں میں بھی ٹوٹیں بہارِ چمن  
 جہانِ معانی کے پروردگار  
 سفیہوں کے رخ پر ہو موجِ شباب  
 محبت کے اقطاب گستی پناہ  
 بنائے نگاران، بصوتِ رباب  
 خرابات کے اولیائے کرام!

# غلط بخشی

الہی! یہی ہے اگر روزگار  
 و نارت کو حاصل ہوں سرداریاں  
 دے اہل باطل سے حق کی سپاہ  
 سرِ مختلِ مُسکبِ بد خصال  
 زمیں کی خوشامد کرے آسماں  
 سرِ راہِ افلاس با صد قلق  
 نیلے خاک پر عسلم کی بارگاہ  
 مہانت ہو، دوشِ خرد پر سوار  
 سعادت کرے نخس کا احترام  
 زمیں برب و کھانے لگے طوطا ق  
 غرمت اپنے مرکب کو جیب ایڑے  
 پنا مشب روی برب خراںِ جزاغ  
 کہ سینے رہیں اہل دل کے فگار  
 شرافت کرے کفش برداریاں  
 مصاحب ہوں اندھوں کے اہل نگاہ  
 کریم آ کے پھیلا تیں دسرتِ سُوال  
 مُقلد ہوں گونگوں کے اہل زباں  
 ادیب اپنے ماتھوں کا بیچیں عرق  
 جبینِ جہالت پہ کج ہو گلاہ  
 لیے رخ پہ چاندی کے نقش و نگار  
 شجاعت کرے بُزدلی کو سلام  
 لرزے لگے چرخِ نیلی رواق  
 گہر ہو رکابوں کو تھامے ہوئے  
 نواسنجِ بیل و کھانے چسراغ

بحر میں آگ لگاتی ہے کہانی میری      گرمی برق پہ پہنستی ہے جوانی میری  
 کتنے گداب میں دیکھے ہیں کناے یمنے      کتنے کاٹے ہیں محلے ہوئے دھارے یمنے  
 کتنے ادیان کی موڑی ہے کلائی میں نے      کتنے اصنام کو بخشی ہے خدائی میں نے  
 خوفِ جاں ہی نہیں ہر خون پہ خندان ہوں میں      اک رہا خوفِ خدا خیر مسلمان ہوں میں  
 پوچھو دم بھرتا ہے کب سے مری مداحی کا!      تجربہ، مملکتِ حسن کی سیاحی کا  
 مانتی ہیں سفرِ صعب کی گھساتیں مجھکو      خوب پہچانتی ہیں عشق کی راتیں مجھکو  
 کوئی گر نطق ہوئے دیدہ حیراں تجھ میں      کتنے پر ہول شب و روز ہیں غلطاں مجھ میں  
 تو نے کیا کیا نہ اٹھایا ہے، مری روح نیاز      تیز کرلوں کا غرور، اور کڑی دھوپ کا ناز  
 کس قدر شدتِ سرما کے ہیں نشتر تجھ میں؟      جذب ہیں کتنی سیلیں روت کی اے سرِ تجھ میں  
 کس قدر لو کے تھپڑے ہیں پرافشاں تجھ میں؟      کتنے طوفان ہیں، اے سینہ بڑیاں! تجھ میں؟  
 دست و بازو میں ہیں بھرے ہوئے دریا کیا کیا      اس کفِ پائیں میں تپتے ہوئے دریا کیا کیا؟  
 سر میں ہیں شورِشِ کونین کے کس بل کتنے      گم ہیں کانوں میں گر جتے ہوئے بادل کتنے؟  
 برق و باراں سے ہوئیں، دشت میں باتیں کیا کیا؟      غرق ہیں دل میں، برستی ہوئی راتیں کیا کیا

رند ہیں، خون کے دریا میں نہانے والے

جا بھی اے سِلِ عواذ سے ڈرانے والے

## نعرۂ مردانہ

ہم نشیں! بھگو لڑتے ہوئے آگاہ نہ کر  
جانتا ہی نہیں، در ماندہ و حیرال ہونا  
روح ہی مجھ میں، صعبیت کے پرستاروں کی  
سیر گلزار ہے، شعلوں کا بہڑکنا بھگو  
و جد کرتا ہوں میں، چلتی ہوئی تلواروں پر  
مُسکراتا ہوں، حوادث کی شرر باری میں  
اب مصیبت ہی، مصیبت کا نہ ہونا بھگو  
برسوں بھولا ہوں اُن ابداد کی گواروں میں  
تبغِ خونخوار کے مانند تھے ابرو جن کے  
اپنی تابندہ روایات کی کھاتا ہوں شہم  
ہوں اگر دہر میں آثار ہیں بے کاروں کے  
ہوں اگر شہر میں دُنیا کے بلاخانے میں

کہ بلا خیز حوادث کی نظر ہے مجھ پر  
کھیل ہے غم سے مجھے، دست و گریباں ہونا  
نشہ ہوتا ہی مجھے بھاؤں میں تلواروں کی  
لحٰن شیریں ہے کمانوں کا کرکنا بھگو  
نیند آتی ہے دھکتے ہوئے انگاروں پر  
تاؤ مچھوں پہ میں دیتا ہوں، دل انگامی  
کر دیا عشق کی زرم آنچ نے سونا بھگو  
صبح مُنہ دیکھتے تھے اُٹھکے جو تلواروں میں  
تیر سینوں ہی میں ہوتے تھے تر از دجن کے  
زہر امرت ہی مے حق میں جراحت مرہم  
زخم میں دل پہ مرے، عشق کی تلواروں کے  
ایسے ٹکڑے ہیں بہت بڑے افسانے میں

# دردِ مشترک

سُنتے ہیں طوفان میں ڈوبا ہوا تھا اک درخت  
 جس کی چوٹی پر نظر آتے تھے، دو آشفۃ بخت  
 ایک اُن میں سانپ تھا، اور ایک غمگین نوجواں  
 دو ضدوں کا، ایک بھگی شاخ پر تھا آشاں  
 سچ ہے، دردِ مشترک میں ہر وہ روح اتحاد  
 عشق میں جس سے بدل جاتے ہیں آئینِ عناد  
 لیکن، اے عاقل مسلمانو! مدبر ہندو!  
 ہند کے سیلاب میں، اک شاخ پر تم بھی تو ہو

قول کی رُو سے بزدل رشکِ خواص      فعل کی رُو سے ہے وہ ننگِ عوام  
 پچکے پچکے مری رگ و پے میں      زہرِ عنسم کمر رہا ہے اپنا کام  
 کچھ ہے خوفِ خدا تو بے تاخیر      کچھ محبت ہے تو بہ عجلتِ تمام

اُفقِ دیدہ ہائے گزیاں پر  
 جلوہ گستر ہو میرے ماہِ تمام





# پیام

کس سے کہتے کہ سحر کے باتوں  
 جو کبھی باتِ تبتہ تھیں  
 میرے اوقات پر مسلط ہے  
 مہیج ہے اور خمارِ سرِ دلفس  
 آہ آلودہ، لعلِ شیریں  
 ایک ذوقِ سفر ہے، بے منزل  
 لفظِ بے مغز ہے زبان کی بات  
 لطفِ ذوقِ نظر کا کیا رونا  
 واسے برا زروئے گرسنہ چشم  
 جان، پامال شوقِ طفلِ مزاج  
 اسے نسیمِ گرہ کُشا، اُن تک  
 کہ ہے تو جس کے حُکم کی پابند  
 زندگی ہو چکی ہے مجھ پہ حرام  
 اب رہ آنکھیں ہیں اور اشکِ ندام  
 گریہِ نسیبِ گاہِ وصالِ شام  
 شام ہے اور کیفِ اشکِ آشام  
 اشکِ آمیزِ یادِ کُلُفِ نام  
 ایک آغازِ غم ہے، بے انجام  
 مغزِ بے لفظ ہے نظر کا کلام  
 کہ نہیں اب تو نامِ سہ و پیغام  
 بند ہے بابِ جِلوۃِ لبِ بام  
 دلِ گزر گاہِ عشقِ سیلِ خرام  
 کون پہونچائے دل کا یہ پیغام  
 عقل کو اُس کی ہو چکا ہے جُدام

نوبتِ عقیقی کی اُداسی کے عوض ماہیروں پر  
 کھیلتا ہے اثرِ بادۂ گلشنِ نام یہاں  
 اک تو نیم ہے رہ درہم شمارِ مہ و سال  
 اک تمسخر ہے نظامِ سحر و شام یہاں  
 دُورے دُورے پہ ہے اتنا ابدیت کا جلال  
 وقت رہتا ہے سدالرزہ بر اندام یہاں  
 گردِ زندانِ سیہ مست، بعدِ عشوۂ و ناز  
 حلقہ باندھے ہوئے رستے ہیں گلِ اندام یہاں  
 خوابِ عددِ سالہ کے مانند ہے، لے محرمِ راز  
 وقفہ یک نفس و لغزش یک گام یہاں  
 لبِ بابتے ہی جو دُنیا کو ہلا دیتے ہیں  
 چند ایسے بھی نکل آئیں گے خُدا ام یہاں  
 شکر ہے جوش کہ اور ادو و ظائف کے عوض  
 لب پہ ہے زمرِ مہ حافط و ختمِ نام یہاں

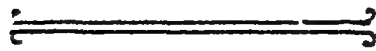
طوطیِ قدس ہے اک رشتہ بپا صیدِ زبوں  
 طائرِ سید رہے اک مرغِ بہ دامِ یہاں  
 سایہ زلف سے ہے زینتِ دوشِ زنداں  
 ظلمتِ کُفر سے ہر دلقِ اسلام یہاں  
 اثرِ بے بصری ہے طلبِ حباہ و نمود  
 ہدفِ مسخرگی ہے ہو کسی نامِ یہاں  
 گوشِ زندانِ قدحِ خوار ہے، اور لعلِ نگار  
 لبِ جبریل نہیں درِ خورِ پیغامِ یہاں  
 کسی شورت میں بھی باقی نہیں جائے تاویل  
 کسی آیت میں بھی ممکن نہیں ابہامِ یہاں  
 شعلہٴ عشق ہے اس راہ میں چڑھتی ہوئی دُھوپ  
 مشعلِ عقل ہے خورشیدِ لبِ بامِ یہاں  
 منزلیں راہ میں تبدیل ہوا کرتی ہیں  
 رُوبہ آغاز ہی رہتا ہے ہر انجامِ یہاں  
 قیمتِ بادہ میں جو خرقة کہ ہوتا ہے گرو  
 اُس پہ قربان ہیں سو جامتہ احرامِ یہاں

# خَرَابَات

یہ خرابات ہے، آتوئے کا نہیں کام یہاں  
 عین طاعت ہے تماشا لے لبِ بام یہاں  
 رقص کرتی ہے زمیں، رات کی رنگینی میں  
 وجد کرتا ہے فلک، صبح کے ہنگام یہاں  
 میکرے ہیں نہوے شیخِ حرمِ نکتہ فروش  
 کہ ازل سے نہیں گنجائشِ اوہام یہاں  
 اثرِ تربیتِ پیرِ معان کے قُدرِ باں  
 خارج از بحث ہے اندیشہٴ آکرام یہاں  
 شکرِ باری کہ علی الرغمِ فقیہ بہ خود ہیں  
 حکمِ ایزد ہے کہ گردش میں ہے حِسام یہاں  
 میکرے کا ہے مشیت کے اشاروں پہ نثار  
 جامِ وردِ دست ہیں خودِ شرع کے احکام یہاں

# نامراد باغیان

میں ہوں ہندوستان، شکارِ زوال وہ فرنگی ہیں صاحبِ اقبال  
 بارگوندیوں میں، پھولِ چینِ جن کے  
 ”رشتہ“ میرا ہو، پھولِ ”ہوں“ ان کے



## حیرت

اے خالقِ اربابِ نظرِ جزمےِ معشوق  
 میں تجھ سے کوئی اور متنا نہیں رکھتا  
 حیراں ہوں لیکن کہ یہ اپنی دعویٰ اگر  
 یہ بھی ترا اخلاق گوارا نہیں کرتا

# خدا ہو جا

اُنٹھی وہ مسرت گھٹا رقص آشنا ہو جا  
 بٹھا دے کشتی عالم کے : خداؤں کو  
 گناہ و کفش کا کیا کی منہن بستیاں میں  
 گشتا میں شور و بیا ہے کہ محو کر آداب  
 اس آج مستی و زندگی کی انتہا کر دے  
 یہ کیا جمود ہے لے لے لے لے لے لے لے  
 برہنہ اور تنوع کیانی پہ جلوہ فرما ہو  
 تھے مع مانہ غنچہ و نسب کی قسم  
 اُنٹھ اور باغ میں خود مجھو مستی گھٹا ہو جا  
 خود آج کشتی عالم کا نا خدا ہو جا  
 برہنہ سر ہو خدا را، برہنہ پا ہو جا  
 ہوا پکار رہی ہے کہ بے ریا ہو جا  
 کل آئے ایسی ہی شامت تو پارسا ہو جا  
 خود آج فاتح عسمر گریز پا ہو جا  
 اُنٹھ اور صاحب جام جہاں نما ہو جا  
 مثال خندہ جاناں اگرہ کشتا ہو جا  
 بہ شکل بندہ تو رہنا ہے عمر بھر لے جوش  
 اُنٹھ اور چند نفس کے لئے خدا ہو جا

# جامِ خالی

آج پھر جام میں محبوبہ کُلفِ نام نہیں  
 آج پھر کون و مکان پر نہیں قدرتِ حاصل  
 آج تقدیر سے پھر دل کے صنم خانے میں  
 آج پھر فرش سے تاباں گہ عرشِ بَر میں  
 آج پھر چہرہء دانش کے زبوں پر تو سے  
 آج پھر حبیبِ تفکر میں بہ جبرِ قدرت  
 آج پھر صُبحِ قیامت ہی یہاں شام نہیں  
 آج پھر ارض و سما بندہ بے دام نہیں  
 شورِ ناقوس نہیں، جلوۂ اصنام نہیں  
 ہمنشیں، سلسلہ نامہ و پیغام نہیں  
 رُوئے کونین پہ رنگینیِ اوہام نہیں  
 نقدِ تخیل نہیں، دولتِ الہام نہیں

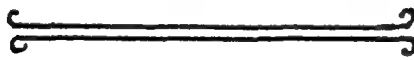
آج پھر دفترِ خاصانِ خدا میں اے جوش  
 وائے قسمت کہ مرادِ کمر، مرانام نہیں



”عکلم مولیٰ پر ہیں شاکر، تجھ سے بل کر شاد ہیں،،  
 ”ہم سب اس درِ یوزہ گر کے نامور اجداد ہیں،“  
 ”ہاں ہمارا ہی یہاں کی سرزمین پر راج تھا،“  
 ”ہاں یہ سر ہیں جن پہ کل ہندوستان کا تاج تھا،“

(۳)

موجِ ظلمت میں بدل جاتی ہر اک موجِ نور  
 کھول پھول آنکھیں کھول، انگریزی حکومت کے غرور!  
 صاحبِ تاج و نگین تھے اہلِ عز و جاہ تھے  
 آج جو درِ یوزہ گر ہیں، کل وہ شہنشاہ تھے!





جھڑیوں میں دفن تھی پیتے دنوں کی آن بان  
 جھڑیاں، یا زندگی کی تیز رورتھ کے نشان  
 آنکھ کے حلقے تھے یا تارکیاں شمشان کی  
 پتلیاں تھیں، یا اندھیری رات گورستان کی  
 لیکن اس ہلیت پہ بھی بے داغ تھی لوحِ جبیں  
 جوہر اسلاف کو عسرتِ مٹا سکتی نہیں  
 ”کل سے میرے منہ میں اڑ کر کھیل تاک پھو بچی نہیں،“  
 ”میرے گھر میں بھی تھا سب کچھ، لیکن اب کچھ بھی نہیں،“  
 ”میں یہ کب کہتی ہوں جباری و خلاقی نہیں،“  
 ”یہ تو سب کچھ ہے مگر مولیٰ میں رزاقی نہیں،“  
 کہے یہ سہمی، ڈرمی، تھرائی، اور پھر رک گئی  
 ”ہائے دہلی،“ منہ سے نکلا، اور گردن جھک گئی

(۲)

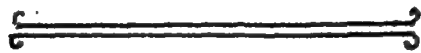
دفعۃً ساکن فضا کے رنگ، لو دینے لگے  
 تاجِ زر پہنے ہوئے کچھ عکس آتے سامنے

# بھکارن شاہرا دی

(۱)

اک ضعیفہ ہانپتی آئی مرے گھر رات کو  
 دیدہ ہائے اشک افشاں میں لئے برسات کو  
 تالیشِ مہرِ خزاں، پڑ مردہ گالوں میں لئے  
 آندھیلوں کے بیچ و خم، ثرولیدہ بالوں میں لئے  
 بے کسی سے خال و خد پراک نرالی بخودی  
 بُھوک سے چہرے پہ لایعنی سی اک سنجیدگی  
 سرد ماتھا، گردشِ تقدیر کا آئینہ دار  
 خاک میں سوئے ہوئے شوہر کا یا سنگِ فرار  
 غرقِ تھیں موجِ عرق میں جُھڑیوں کی سب شہیں  
 جس طرح نچڑے ہوئے کپڑے کی بھیگی سمٹیں،  
 جُھڑیاں رُخ پر نہ تھیں، قبریں تھیں ماہ و سال کی  
 اور وہ قبریں جو بوں سیلاب سے بیٹھی ہوئی

”منہ سے کہہ ”آمین“ کیے کیسا حیا کا جوش ہے؟“  
 ”میں دعائیں دے رہی ہوں، اور تو خاموش ہے؟“  
 ”ہائیں یہ آواز؟ لاری! اور یہ کیلاے خدا!“  
 ”لاش! یہ کیا، ہائے اے اللہ یہ کیا ہو گیا؟“  
 ”کیا ہے یہ اماں؟ ہوا جاتا ہے کیوں دل پاش پاش؟“  
 ”میرے بچے کا جنازہ، اور ترے دوٹھا کی لاش!،“



# دوٹھاکاکی واپسی

”خیر، مجھ ماں کو بھلا بیٹھا تو کچھ سبب انہیں  
 تجھ دُہن کو بھول بیٹھا، آئے یہ کیوں کر یقین  
 ”لیکن اے بیٹی مرا بٹیا سعادت مند ہے“

”سچ مچ اپنے مرنے والے باپ کا فرزند ہے“  
 ”بیٹی، ان بھبتی ہوئی آنکھوں میں ٹوڑا جائے گا“  
 ”لال میرا، آج یا کل تک ضرور آ جائے گا“

”دل مرا بچپن ہے اُس دلربا کے واسطے  
 ”جا ذرا تصویر تولے آ، خدا کے واسطے“

”ہاں یہی، کیوں سر جھنکاتی ہے؟ ادھر آ تو سہی“  
 ”اس پہ میں قربان، میرے دل کا ٹکڑا ہے یہی“  
 ”بچپنا چہرے پہ ہے، بالوں میں تلکے جال سے“

”چودھویں کا چاند شرماتا ہے میرے لال سے“

# اثباتِ یافنی

حجلے میں نہیں حجلہ نشیں کوئی، تو حیرت!  
 حجلے میں کوئی حجلہ نشیں ہے، تو تعجب!  
 اب تک نہیں قانونِ زمیں کوئی، تو حیرت!  
 اب تک کوئی قانونِ زمیں ہے، تو تعجب!  
 محبوب، رگِ جاں کے نہیں پاس، تو حیرت!  
 محبوب، رگِ جاں کے قریں ہے، تو تعجب!  
 پردے میں نہیں ماہِ حبیبیں کوئی تو حیرت!  
 پردے میں کوئی ماہِ حبیبیں ہے، تو تعجب!  
 محفل میں نہیں صدرِ نشیں کوئی، تو حیرت!  
 محفل میں کوئی صدرِ نشیں ہے، تو تعجب!  
 کہتے ہیں مذاہب جسے ”دارائے دو عالم“  
 وہ ہے تو تعجب، جو نہیں ہے تو تعجب!!

خفیف زمرمہ، امواج کی روانی میں  
 فلک پہ رنگ، درختوں کے سائے پانی میں  
 فضا شگفتہ، گھٹالا لہ گوں، شفق چو نچال  
 ہوا لطیف، زمیں نرم، آسماں سیال  
 یہ جاں فروز مناظر، کہ دل لہجہ ساتے ہیں  
 بچھڑ گیا ہوں کسی سے تو کھائے جاتے ہیں!



# برسات کی ایک شام

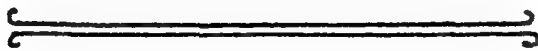
(راجپوتانہ)

ٹنک ہواؤں میں اُٹھتی جوانیوں کا خرام  
 کنارِ دشت میں برسات کی گلابی شام  
 زمیں کے چہرہ رنگیں پر آسماں کی ترنگ  
 ٹنک ہواؤں کی بھگی ہوئی تہوں کا رنگ  
 فلک پہ بازی طقلاۓ ابر پاروں کی  
 ندی کے موڑ میں انگڑا سب ان نگاروں کی  
 ہر ایک ذرے میں پہچان مست ہونے کا  
 زرا ساریل کی پڑی پہ رنگ سونے کا  
 شفق ہلال، ندی، رنگ، ابر، سبزہ، ہوا  
 ہوا میں مور کی آواز، چھینکروں کی صدا

عزتِ ایجادِ مرگ و زلیست ، جبر و اختیار  
 عقل کی اس بیوگی سے جس کو کچھ نسبت نہیں  
 جس جہانِ آرزو میں ، جس دیارِ سنوڑ میں  
 لرزشِ مرگانِ ترسہ ، شہپرُوحِ الایں  
 خون کی گردش میں مضمحل ہے جہاں ذکرِ حبیب  
 بنفش کی جنبش میں غلطاں ہے جہاں ”حبل المتین“

(۲)

کون یہ درکشکھٹاتا ہے مرا؟ پوچھو کوئی ؟  
 خیر ہو کیا اس طرف بھی آگئے اہلِ زیریں ؟  
 ”وآئے ہیں دُنیا کے کچھ اوتار ، مَجْرے کو حضور“  
 کمد و واپس جائیں ، ملنے کی مجھے فرصت نہیں !

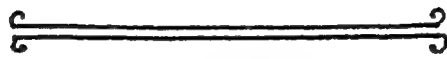




# دل کی دُنیا

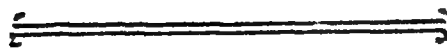
میں نے اک دُنیا نئی معلوم کی ہے رُوح میں<sup>(۱)</sup>  
 دلفریب و دلنواز و دل مسرور و دل نشیں  
 اس تڑپتے تلکلاتے خاکدان غم سے دُور  
 اک دیکتے، جگمگاتے نجم پہناں کے قریں  
 اس جہاں کے لعل و گوہر سے سوا ہر جی خاک  
 اس کُرے کے آسماں سے بڑھکے ہی جس کی زمیں  
 زندگی جس دہر میں ہے، اک غلامِ بے وقار  
 موت ہے جس دائرے میں اک کنیزِ کمترین  
 جو ہے اک ایسا انوکھا عالم تمکیں جہاں  
 ذہن کی آوارگی ہے کاوش دُنیا و دیں  
 نورِ حیات، نارِ دوزخ، خوفِ باطل، ذوقِ حق  
 ان یتیم افکار سے بیگانہ ہے جو سر زمیں

پانی کا طلبگار ہو جس کھیت کا دیہقاں  
 اُس کھیت میں پانی کے عوض آگ لگا دو  
 سینے میں کھٹکتی ہے مچے جوش کی ہر سانس  
 اس شاعر گستخ کو سُولی پہ چڑھا دو



## بھیک کی آواز

تصویر کیجئے اُس ملک کی بے دست و پائی کا  
 جہاں بنتا ہے شام بے نوالی توڑ کا تڑکا  
 جہاں بیدار ہوتے ہی فغاں ملتی ہر مالوں میں  
 گداؤں کی صدائیں گونجنے لگتی ہیں کانوں میں



پہلے تو ہر ایک رہرو آزاد کو لڑ کو  
 مانے نہ اگر بات تو زنجیر پہنا دو  
 محکوم کو دوست کو تامل کی نہ فرصت  
 ہر سر د کو بیہودہ مشاغل میں لگا دو  
 گھر آئیں جو بادل کی طرح تند عاصف  
 آپس ہی میں اُن تند عاصف کو لڑا دو  
 دنیا میں پینے کے جو آئین سکھائے  
 کچھ دے کے اُسے دین کے دھندے میں لگا دو  
 بہتے ہوئے آنسو جو کریں رحم کی درخواست  
 بچھلے ہوئے الفاظ کا انبار لگا دو  
 چھیرے کوئی کمزور اگر نغمہ طاقت  
 اُس شخص کو تلوار کی جھنکار سنا دو  
 روٹی کا جو طالب ہو اُسے بھوک سے مار دو  
 جو بھوک کا شاکی ہو اُسے نہ ہر کھلا دو

# روحِ استبداد کا فرمان

ہاں اے مرے ذی ہوش فُسوں کا سپو تو  
 جاگے ہوئے محکوم دماغوں کو سدا دو  
 تہذیب کے جادو سے ہر اک پیرو جواں کو  
 اپنی روش عام کا نقسّال بنا دو  
 جلتی ہیں جن افکار سے اقوام کی نبضیں  
 ذہنوں میں اُن افکار کی بنیاد ہلا دو  
 جو قفل سلکھاتا ہے زبانوں کو خموشی  
 وہ قفل خطابات زبانوں پہ لگا دو  
 خنل ہو جو سپاک کے اداروں کی مہارت  
 چندہ تو نہ دو صرف ترقی کی دُعا دو  
 اوروں کو جو روزی سے لگنے پہ مضر ہے  
 چُپ کرنے کی خاطر اُسے روزی سے لگا دو

عقائد کے ہزاروں عقل فرسا کاروانوں کا!  
 فقط اک واہمہ ہی قافلہ سالار ہے ساقی  
 نہ گھبرا، انتہائی صبر و نرمی سے مُداوا کر!  
 کہ عقل انسان کی اک عُمر سے بیمار ہے ساقی  
 بہت عُجَلت نہ فرما کار و بارِ دل کے اجرائیں  
 کہ یہ دُنیا اسیرِ اندک و بسیار ہے ساقی  
 ذرا آہستہ لے چل کار و ان کیف و مستی کو  
 کہ سطحِ ذہنِ عالمِ سختِ ناہموار ہے ساقی  
 مرا ایمان ہے اک لرزہ بر اندام بے دینی  
 میرا اقرار اک سہما ہوا انکار ہے ساقی  
 نظر کر جوشِ پر اپنے کہ اتنی بنجودی پر بھی  
 یہ زندِ لا ابالی کس قدر ہشیار ہے ساقی



# بحضرۃ ساقی

تجھے کیا دورِ گل ہے، یا زمانِ خار ہے ساقی  
 تو خود اپنی جگہ اک دولتِ بیدار ہے ساقی  
 حقیقت کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتی دو عالم کی  
 جو کچھ آتی بھی ہے ناقابلِ اظہار ہے ساقی  
 ترے مستوں کو روزِ بربط کی آویزش سو کیا مطلب  
 یہاں تو تیرگی بھی مطلعِ انوار ہے ساقی  
 ترے خدمت گزاروں کو حق و باطل سو کیا مطلب  
 یہاں تو خیر بھی ”شر“ کی رفیقِ کار ہے ساقی  
 یہاں ہر عقدہ اک کھلتا ہوا دُر ہے فراغت کا  
 یہاں ہر قید اک گرتی ہوئی دیوار ہے ساقی  
 قسم اس جام کی رونماں جس میں کین و مسرتی  
 کہ اس شہنشاہی میں رفیعِ ثابت و ستیار ہے ساقی

# ہامتا اور محبت

راہ میں ایک غریب عورت کے  
 عشق نے بڑھ کے تیر مار دیا  
 ایک رہرو نے اُس کے سینے میں  
 جذبہ دلبری اُبھار دیا  
 قلبِ نازک کو آنِ واحد میں  
 شوق نے مُرثدہ بہار دیا  
 عشق نے حُسن کی نگاہوں کو  
 جلوۂ تیغِ آبِ دار دیا

اور عورت نے ایک لوج کے ساتھ  
 طیفِ نل کو گود سے اُتار دیا



# مُڑی ہوئی پتی

اک فتنہ زمانہ بیدنازی بے پناہ      موج رواں کی شان سے طے کر رہی ہے  
 ہر ایک پیچ و خم پہ مجھے دیکھتی ہوئی      مُڑا مُڑا کے ہر قدم پہ مجھے دیکھتی ہوئی  
 چہرے پر ایک گرد سی گویا اُڑی ہوئی  
 پتی ہوا سے تند کی زد پر مُڑی ہوئی



# آٹھ

گاؤں کی اک نگارِ ہوش رُبا      سر پہ چُن درِی نہ بات میں چھلا  
 نورِ ساکن ہے - نار ہے بیتاب      ہو رہی ہے طلوعِ صبحِ شباب  
 آنکھڑیوں میں حیا، نہ طرازی      نہ نگاہِ کرم، نہ بیستاری  
 ایک بھٹکی ہوئی سی شانِ حجاب      ایک کھویا ہوا سا استعجاب  
 رُخ پہ ہلکی سی کشمکش سی ضرور      لیکن اس طرح جیسے تختِ شعور  
 آ رہی ہے قدم بڑھائے ہوئے      زلف کھولے، نظر اٹھائے ہوئے

خواب میں جیسے چل رہا ہے کوئی  
 بے ارادہ محسوس رہا ہے کوئی



ہونگے صوتِ انسانی کے شعبے تکمیل میں  
 فقط جغرافیہ کا خُون ہے میری رگ و پے میں  
 ہمیں اور رحم آئے غیر ملکی صمغیہ روں پر!  
 کہ شجروں کی بنا ہے صرف نقشوں کی لکیروں پر  
 اُخوت کے سمندر کو خرف ریزوں سے پاؤں لنگا  
 میں رشتے خُون کے سب، خاک کی قنچی سے کاٹوں گا  
 بُریدہ ہو کے اپنے کُل سے، نبضِ جزو چلتی ہے  
 کہ کٹ جاتی ہے جب تو چھپکلی کی دُم مچلتی ہے



# ریاستوں کا ملکی نعرہ

ہلاک چور کردو، گشتہ بیداد کردالو  
 یہ کافر غیر ملکی ہیں انہیں برباد کردالو  
 نئے مصحف، نئے دیوان و دفتر کی بنا ڈالو  
 کتابیں غیر ملکی دین و مذہب کی جلا ڈالو  
 مری نہ ہیا ہو، میرا ہی سبُو، میرا ہی پیمانہ  
 مرے گھر کا حرم ہو، میرے ہی صوبے کا بُت خانہ  
 میں اب سمجھا کہ یہ اک غیر ملکی کا تختِ شیل تھا  
 کہ فرق نسل و رنگ و قوم ہے ابلیس کا دُھوکا  
 اگر تقدیر یا ور ہے تو مُنہ غیروں سے موڑوں گا  
 لباسِ نوعِ انسانی کے ٹکڑے کر کے چھوڑوں گا  
 لبِ تقسیمِ ارضی ہی سے اب آئندہ بولوں گا  
 میں اب انسان کو مٹی ہی کے کانٹے میں تولوں گا

صد ہا شعور جس پہ تصدیق وہ نشہ ہوں  
 لاکھوں یقین جس پہ فدا، وہ گماں ہوں میں  
 صدیوں کے بعد بھی جو پڑھے گا مرا کلام  
 آواز دوں گا میں کہ ابھی تک جواں ہوں میں  
 شاہوں سے جوش لے کے رہے گا جو کل خراج  
 ہاں وہ گدائے کشور ہندوستان ہوں میں



قیمت ہے جس متاع کی خود روح مشتری  
 اے اہل کار و بار اوہ جنسِ گراں ہوں میں  
 ارضِ تعینات میں ہوں فور بے جہت  
 پہلوئے کائنات میں قلبِ تپاں ہوں میں  
 تاروں کی مست چھاؤں میں ہنگامِ ناؤ نوش  
 کہتا ہے دل کہ خالق کون و مکان ہوں میں  
 مجکو حدیثِ فرشِ سُناتا ہے ہم نشیں !  
 خاموش ہو کہ شاعرِ عرشِ آشیاں ہوں میں  
 میں اور بے گناہ کیے سانس لے سکوں  
 کیا سادہ لوح صورتِ کر و بیاں ہوں میں  
 روشن ہیں مجھ سے حُسن و جوانی کی مشعلیں  
 پروردگارِ عابدہ مہوشاں ہوں میں  
 کھلتے ہیں زیرِ دم سے مرے رازِ کائنات  
 گویا دہانِ ارض و سما کی زباں ہوں میں

# گدائے ہندوستان

ہر سانس میں جواں ہی نہیں، نو جواں ہوں میں  
 شکرِ خدا کہ بندۂ پیرِ مٹاں ہوں میں  
 تپتی ہے جس کی موجِ پکشتی حیات کی  
 اے ہم نشین، وہ نعمۂ آبِ رواں ہوں میں  
 دیدارِ حق کی شرحِ نکو اے فقیرِ شہر !  
 آگاہ ہو کہ ناقدِ حُسنِ بُتاں ہوں میں  
 میرے نفس سے گرم ہے بازارِ زندگی  
 اِس جسمِ کائنات کی روحِ رواں ہوں میں  
 اے بادِ صبحِ چل، کہ ہوں تیرا ندیمِ خاص  
 اے شاخِ گل، لچک، کہ ترا زداں ہوں میں  
 ہر شب، بساطِ بادِ کشتی پر ہوں جلوہ گر  
 ہر صبحِ صمدِ مجلسِ روحانیوں ہوں میں

ناداں اگرڑے ہیں کہ چال ہو اوافق  
دانا سمجھ رہے ہیں اپریل فول ہے

## آوارہ خیالات

تخت کی محکومتنا ہے، نہ ذوق دہشیم  
میر کی ہر سانس میں ہو دولتِ صدہیتِ تعلیم  
عقل جسے کہتے ہیں زمانے والے  
میرے حلقے میں ہے منجملہ یارانِ قدیم  
شوقِ دیدار کی وہ آگ ہے میرے دل میں  
جس کے اک اک شر میں ہیں نہال لاکھ کلیم

اورج افلاک پہ ہیں فاقہ کشوں کی آہیں  
کوُن کہتا ہے کہ رزاق نہیں، ربِ کریم  
کون سادل ہے کہ زخموں سے نہیں ہو خنبار  
مرحبا اے کریمِ عام وز ہے فیضِ عیم

کتنے شمشاد فراواں ہیں مری نظروں میں  
اس قدر موج نہ دکھلا مجھے اے موجِ نسیم

تو میرے لمحہ الہام میں اے روحِ حیات  
آخر آہی گئی، تسلیم، ادھر آ، تسلیم

ٹچھ سے کتنے مرے آغوشِ بصیرت ہیں دیکھ !  
جیسے بھی عربدہ، کونین کے لے رازِ عظیم !

# وفاق

(جس کا نفاذ یکم اپریل ۱۹۳۷ء سے ہو گیا ہے)  
 ڈھویں نجی ہوئی ہیں نظم وفاق کی  
 ہندوستان ہنوز ظلوم و جہول ہے  
 اس نوحہ خیزاں کو سمجھنا نویدِ گل  
 اک بے پناہ چوک ہے، اک سخت جھول ہے  
 یہ بوستانِ اہل سیاست کی شاخِ گل  
 شیطاں کے پائیں باغ کی سُوکھی بیول ہے  
 یہ ہے نیا نکاح کہ دُلہا تو ہے خموش  
 قاضی یہ کہہ رہا ہے کہ دل سے قبول ہے  
 ہشیار اہل ہند کہ بھپس اس زمین پر  
 گردوں سے ایک تازہ بلا کا نژول ہے  
 کہتے ہیں جس کو دولتِ میدار، اہلِ غرب  
 وہ اک متاعِ کا سود جسِ فصول ہے



یہ کیا اسرار ہیں سبزے کو جب شبنم بھگوتی ہے  
 ندی کے موڑ پر اک داستان معلوم ہوتی ہے  
 یہ شب کو کون یوں رہ رہ کے مجھ کو یاد آتا ہے!  
 دیا جیسے گھنے جنگل کے اندر ٹمٹماتا ہے  
 یہ کیسے طُرفہ اراں ہیں جو پہم سانس لیتے ہیں  
 یہ قدسی کون ہیں رَہ رَہ کے جو پیغام دیتے ہیں؟  
 یہ دل میں کون یوں دلدار یوں کے تحمُّلوتا ہے؟  
 اندھیرے میں گماں سا نور کا جس طرح ہوتا ہے  
 یہ طاری کچھ دنوں سے مجھ پہ کیسی بدحواسی ہے؟  
 اُداسی میں لباششت ہے، لباششت میں اُداسی ہے  
 یہ کیسی لہری ہے ہستی کے زخموں کو جو دھوتی ہے  
 یہ کس کی چاپ سینے میں مجھے محسوس ہوتی ہے؟  
 یہ کس ناآشنا سے مہماں کی آمد آمد ہے؟  
 یہ کس بے سمجھے بُوجھے کارواں کی آمد آمد ہے؟

# نا آتشا مہان

یہ کیسی ہیں خُدا یا نِیمِ رَسِ مَوہُوم اُتبی دیں؟  
 جو بہیم رِنگی پھرتی ہیں میرے گرم سینے میں  
 یہ میرے گرد کیسا درمیانی سا اُجالا ہے؟  
 جو ضَمّو کی دسترس سے دُور ہے ظلمت سے بالاسے  
 یہ اک تار سی کیا شے ہے؟ نہ موتی میں نہ تَنسویں  
 یہ کیسے درد کی یارب چمک ہے میرے پہلو میں؟  
 یہ کیا عالم ہے؟ جب سہل پہ دُلوں وقت ملتے ہیں  
 شگوفے سے مے تپتے ہوئے سینے میں کھلتے ہیں  
 نذی جب ہانپتی ہے۔ اور سورج ڈوب جاتا ہے  
 الہی کون یہ میٹھے سُروں میں گُن گُناتا ہے؟  
 یہ لیلے کون ہے؟ الفاس کے بچپن محل میں  
 یہ کیسے ظُرفہ اُلجھے ولولوں کا رقص ہے دل میں

جھوٹ کے مرکب سے دم بھر بھی اتر سکتی نہیں  
 راستی کو تو کبھی برداشت کر سکتی نہیں  
 جلوہ حسنِ حقیقت کو دبا دیتی ہے تو

اپنے افسانوں کے پردوں میں چھپا دیتی ہے تو  
 دیدہ انکار کو بے نور کر دیتی ہے تو

حسنِ فطرت سے بشر کو دُور کر دیتی ہے تو  
 الاماں قانونِ مذہب تیرے فرزندِ انِ زشت

جن سے بن جاتی ہے دُورِ خِزمِ فطرت کی مہبت  
 آدمی تیری ندی میں ناؤ کھے سکتا نہیں

اپنی فطرت کے مطابق سانس لے سکتا نہیں  
 وہم پر دُرِ جذبہ تقلید کی بانی ہے تو

دشمنِ آزادیِ افکارِ انسانی ہے تو  
 رہ چکے، جس وقت تک رہنا تھا قسمت میں غلام

اے فنا انگیز دیوی! دُور سے تھب کو سلام

مرد ہیں، تو اب تیرے دھوکے میں آئے ہی ہے

میرے باتوں ایک مدت تک ننانے سے رہا

زخم کو آسودہ، مرہم بنادیتی ہے تُو  
 انگڑوں کو قطرہ شبنم بنادیتی ہے تُو  
 شیشہ دل چور کودیتا ہے تیرا جامِ حُسن  
 ہاتھ سے چھوٹے ہوئے جامِ بلوریں کی قسم  
 بچپن لیتا ہے زمانے سے تری تانوں کا شور  
 فکر کی رفعت، ارادوں کی جوانی، دل کا زور  
 اول اول محو کردیتی ہے تصویروں میں تُو  
 بچر جکڑ لیتی ہے اہل فن کو زنجیروں میں تُو  
 گوشِ جاں کو انغمہ شیریں سے بھر دیتی ہے تُو  
 پھر انہیں انگوں میں آخر دفن کر دیتی ہے تُو  
 کس قدر معشوقیت ہے تری شانِ قہر میں  
 غسرق کر دیتی ہے، تو رنگیں لبوں کی لہریں  
 بازائے ہم ترے، اس مرگ اور حِلَم سے  
 اے سیدِ رو! جہل بی بہتر ہے ایسے علم سے

دیکھتے ہی سینہ آہن میں لگ جاتا ہے زنگ  
 انکھڑیوں میں تُو وہ رکھتی ہے شکرِ خوابی کا زنگ  
 جس بدن کو تو پہناتی ہے سرِ پروپرنیاں  
 سُوکھ جاتی ہیں بالآخر اُس بدن کی ہڈیاں  
 رابطے ہیں جن کو تیرے خلعتِ گلہام سے  
 جلد اُن کی چھلنے لگتی ہے زِرہ کے نام سے  
 تیرا مارا دو گہری کلفت میں رہ سکتا نہیں  
 معرکے میں آئیں تلواروں کی سہ سکتا نہیں  
 زلف تیری، توڑ دیتی ہے سپاہی کی کند  
 بخشش ہے شیر کے سینے کو، قلبِ گوسفند  
 غازیوں کو مُسکرا کر آئینہ دیتی ہے تو  
 قیمتِ آئینہ میں تلوار لے لیتی تو  
 تندرستوں کو عطا کرتی ہے بیماروں کا لوچ  
 لرزشِ صہبا میں گم کرتی ہے تلواروں کا لوچ

تیرگی کی شمع پر جلتے ہیں پردا نے ترے  
 ذوقِ کاوش کو سلا دیتے ہیں افسانے تیرے  
 وہ تری اکسیر ہے، اکسیر کو کرتی ہے خاک  
 نماز کر دیتا ہے تیرا، زندہ قوموں کو ہلاک  
 عیش کی افراط سے کرتی ہے جہارت کو خراب  
 توجہ انمردی کو دیتی ہے جہالت کا خطاب  
 اُس صلابت پر، کہ جس پر زندگی کا ہے مدار  
 لوریاں دے دے کے کرتی ہے نزاکت سے دوچار  
 تو امیروں سے دلاتی ہے فقیروں کو خراج  
 چھین لیتی ہیں تری برنائیاں شاہوں سے تاج  
 تیرے تکیے خنجر بُڑاں ہیں پہلو کے لئے  
 تیرے بازو بند، ستم ہیں زورِ بازو کے لئے  
 جیب میں رکھتی ہے تو، وہ تیرا خواب آور دوا  
 کہتے ہیں جس کو زبانِ شعر میں ”حسن و ادا“

مشرب کے سناٹے میں جنت کو صدا دیتی ہے تُو  
 چاندنی کو موجِ افشاں میں کھپا دیتی ہے تُو  
 نازنیوں کے تبسم میں اپنے تکمیل کا ر  
 تُو بلا دیتی ہے اک موہوم سی موجِ ستار  
 اپنے بربط میں بلا کے زیر و بم رکھتی ہے تُو  
 کس تکلف سے عناصر پر قدم رکھتی ہے تُو  
 لیکن اے آرائشِ دانداز کی پروردگار!  
 رُوحِ انسانی کو اس آتی نہیں تیری بہار  
 مسخ ہو جاتی ہے تجھ سے فطرتِ نوعِ بشر  
 ضرب پڑتی ہے براہِ راست تیری رُوح پر  
 جامہٴ اخلاص ہو جاتا ہے تن پر تار تار  
 ہونٹ ہو جاتے ہیں مصنوعی تبسم سے دو چار  
 برق دے کر سرسبز یے تُو رکھتی ہے ہمیں  
 ”ایکٹر“ بننے پہ تُو، مجبور کرتی ہے ہمیں

ولولوں کے واسطے ہوتا ہے سازِ فتح یاب  
 ناز سے اٹھکھیلیاں کرتا ہوا تیرا شباب  
 وجہ میں آتی ہے اہل انجمن کی زندگی  
 سمرِ سمرِ اہٹ سُن کے تیرے ریشمی ملبوس کی  
 عیش کا جو یا شباب، آمادہ ہو کر خواب پر  
 کروٹیں لیتا ہے تیرے بسترِ سنجاہ پر  
 گنگنوں میں تیرے ہوتی ہے وہ رنگیں روشنی  
 مُسکراتی ہے کلائی نو عروسِ دھڑ کی  
 پینگ ٹو دیتی ہے دل کو نرگسِ بہار میں  
 کشتیاں کھیتی ہے امواجِ لب و خُساریں  
 طاقِ زر میں مشعلوں کے جگمگانے کی ادا  
 اللہ اللہ تیرے رنگیں مُسکرانے کی ادا  
 لوح آجاتا ہے تجھ سے حُسن کی رفتار میں  
 لوح بھی ایسا، جو ہوتا ہے اپنی تلوار میں



مانگتی ہے بھیک میں تجھ سے تبسم کائنات  
 تیری لہو سے جنگی ٹٹھکتی ہے محرابِ حیات  
 شمع سے رہتا ہے بالائے تیرے پروانوں کا رنگ  
 شوخ تر ہوتا ہے مے سے تیرے پیانوں کا رنگ  
 بے مشقت خلق ہوتی ہے طرب سے بہرِ ناب  
 دہر میں بچتا ہے جب تیری مشینوں کا رباب  
 ساتھ ساتھ آتی ہیں حُوریں ناز فرماتی ہوئی  
 جب تری متاعِ عیاں اٹھتی ہیں اٹھاتی ہوئی  
 نقشے کی کلیاں چسپتی ہیں تری گُفتار میں  
 سحر ہوتا ہے تری پائزِ لب کی جھنکار میں  
 کھیلتی ہے تیری صبح و شام بازاروں کو ساتھ  
 جشن ہوتا ہے ترا، بسکوں کی جھنکاروں کے ساتھ  
 تہذیبی سے تری، اے مرکبِ برقِ آفریں  
 کانپ کر اپنی طنائیں کھینچ لیتی ہے زمیں

# تہذیب

گو یہ دعویٰ سچ ہے، اے تہذیب کی روشن جہیں  
 جگمگا اٹھتا ہے پر تو سے ترے صحنِ زمیں  
 وجد آتا ہے زمانے کو ترے اشتغال پر  
 ناچتی ہے خلق تیرے گُنگرُوں کی تال پر  
 تیری ہی تعلیم سے کرتا ہے حاصل روزگار  
 گفتگو کی سحر انگیزی، خموشی کا وثار  
 سیکھتی ہے تیرے ہی مکتب میں بزمِ آب و گل  
 کس ادا سے مُسکرا کر فتح کر سکتے ہیں دل  
 تیری ہی رعنائیوں سے یہ سبق لیتے ہیں ہم  
 گُلستاں میں یوں اُٹھاتے ہیں نزاکت سے قدم  
 حرفتوں کی کار فرما! صنعتوں کی کردگار  
 شعر و موسیقی پہ آتی ہے ترے دم سے بہار

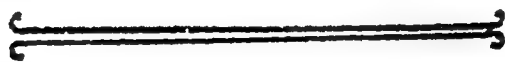
# نیت کا پھل

(۱)

عجب وہ زمانہ تھا، جب نسلِ انساں  
 نہ باتوں میں خنجر، نہ تیغیں کسریں  
 فلک، راحیں بے طلب دے رہا تھا  
 ہر اک قطرہ آب، اُگلتا تھا موتی  
 ہر اک آنکھ میں حُسن لیتا تھا ہریں  
 مسرت کی میٹھی ندی تھی خرا ماں  
 سیرِ بزمِ عالمِ بشارت کی دیوی  
 نمورِ لیشے ریشے میں دوڑا ہوا تھا  
 ہواؤں کی روتے پرستا تھا امرت  
 فضا سے ٹپکتی تھیں، صبا کی مریں  
 بلند ی پہ چڑھتی چلی جا رہی تھی  
 ترانے مگرِ مسیح کے گھا رہی تھی  
 زمیں خود سے عقدِ دل کو سجا رہی تھی  
 ہر اک خار سے بوئے گل آ رہی تھی  
 ہر اک دوش پر زلفِ بل کھا رہی تھی  
 فراغت کی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی  
 بعدِ دلبری ناز و سحر مار رہی تھی  
 مہیا، سُنجے سُنجے کو چپٹکا رہی تھی  
 گمشا زندگی کی جُہک آ رہی تھی  
 صبا ہوجِ کوثر کو شر مار رہی تھی

کہ اتنے میں بدلی جو نیت ہماری  
 پلٹ دی مشیت نے قسمت ہماری

کبھی غارت گردِ ذوقِ نگاہ و لقمہ نہتا ہے  
 کبھی غمخوارِ چشم و کار سازِ گوش ہوتا ہے  
 کبھی ابرِ کرم کی چھاؤں میں کرتا ہے تقریریں  
 کبھی فرطِ غضب کی آگ سے خاموش ہوتا ہے  
 کبھی ملتا ہے عیسیٰ و ربُّنلِ عُمُرِ خضرِ برکت  
 کسی دن تیغِ در دست و کفنِ بردوش ہوتا ہے  
 کدورت سے کبھی کھینچتی ہوئی تلوار نہتا ہے  
 محبت سے کبھی کھلتا ہوا آغوش ہوتا ہے  
 غرض اے جوشِ وہِ مجموعۃ الطاف و بے مہری  
 کسی دن نیش ہوتا ہے کسی دن نوش ہوتا ہے



# مجموعۂ اصداد

مرا اک دوست ہے اصداد کا مجموعہ کامل  
 کبھی جلوے دکھاتا ہے کبھی رُو پوش ہوتا ہے  
 کبھی بلتا ہے مثل عاشقِ خونیں کفنِ مجھ سے  
 کبھی آغوش میں معشوقہٴ گل پوش ہوتا ہے  
 کبھی اُس کی ادائیں بے رخی کے تیر ہوتے ہیں  
 کبھی اُس کی زباں میں دلبری کا جوش ہوتا ہے  
 کبھی ذوقِ تعقل میں سراپا ہوش بنتا ہے  
 کبھی فرطِ جنوں سے بخودو بہوش ہوتا ہے  
 کبھی خون و فاکر کے عداوت کیش بنتا ہے  
 کبھی داد و فاد بیکر عقیدت گوش ہوتا ہے  
 کبھی تلقین فرماتا ہے ترکِ بادہ خواری کی  
 کبھی خود ہی انیس بزمِ نوشا نوش ہوتا ہے

پھر مچلتی چاندنی کے تقرنی آغوش میں  
 بیچ و خم کھاتے ہوئے آبِ رواں کی دھوم ہے  
 پھر کہیں رکتا نہیں رخسِ مزاجِ دلبری  
 پھر کسی نوشہہ سوارِ خوش غماں کی دھوم ہے  
 آدم و حوا کے جُرمِ اوّلین کی یاد میں  
 جشنِ زیرِ باک و رقصِ گلِ رُخاں کی دھوم ہے  
 عطر سے نہکے ہوئے ایوانِ رقص و رنگ میں  
 لمسِ شیریں حریر و پرنیاں کی دھوم ہے  
 پھر کھنکٹے ہیں پیالے، گنگناتا ہے شباب  
 پھر شرابِ کُہنہ و حُسنِ جواں کی دھوم ہے  
 جوش کے انفاس سے نہکی ہوئی ہے زندگی  
 دُور تک اس شاعرِ مہندوستان کی دھوم ہے



# فیضانِ ساقی

آجکل پھر بخششِ پیرِ مُنغاں کی دُھوم ہے  
 دولتِ بیدار و بختِ کامراں کی دُھوم ہے  
 پھر غروشِ مُطربان و جوشِ یاراں کے ٹفیل  
 لکھن رنگین و شرابِ ارغواں کی دُھوم ہے  
 باغ میں پھر جلوۂ کُل سے ہے اک محشرِ بیا  
 بزم میں پھر شوخیِ چشمِ بتاں کی دُھوم ہے  
 پھر فلک پر ابرگو ہر بار کے ہیں غلغلے  
 پھر زمیں پر کاکلِ عنبرِ فشاں کی دُھوم ہے  
 بزم میں پھر خندۂ عشاق کے ہیں زمزمے  
 باغ میں پھر بلبلِ افسانہ خواں کی دُھوم ہے  
 حلتِ رنگین یا رانِ مُحبّتِ پیشہ میں  
 پھر کسی کے التفاتِ سبکراں کی دُھوم ہے

کون ہندو سے کہے اے لالہ دولت نواز

اب بھی ہے کیا تجگو گردانِ مہا بھارت پہ ناز؟

کون مُسلم سے کہے اے مومن زرار و نزار

لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار

کشتیِ ملت کو اس طُوفان میں کھینے کے لئے

کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سادینے کے لئے؟

آہ اے ہندوستان، مشرق کی اے تاریکات

کہہ رہا ہوں کب سے میں کمبخت یہ رازِ حیات

باگ میں ہے شہسواروں کی، نظامِ زندگی

اُسلحہ کی کھڑکھڑاہٹ ہے پیامِ زندگی

جان لے اے ہند لے دڑا تے خادم پہاڑ

موم بن جاتا ہے، لوہے سے جو کرتا ہے بگاڑ

صرف ہلکی آنچ کی یورش سے گل جاتا ہی موم

گر مٹی اغیار کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے موم

تجگو گردانِ مہا بھارت پہ ناز؟

مومن زرار و نزار



# راہِ حیات

بزدلی، دُور تہمتی، بے مانگی، خوابِ گراں  
 بچھڑ پھ اور یہ لعنتیں، افسوس اسے ہندوستان  
 بڑھپیاں محروں، بگنل، خاموش، پرچم تار تار  
 خود غمگین، طبلِ جنگِ افسردہ، نیزے دلفگار  
 دل میں خوفِ مرگ، بُخ پہ بزدلانہ اضطراب  
 ولولے، سرد درگریاں۔ ہمتیں مصروفِ خواب  
 کرب سے خنجرِ فسردہ بختہ جانوں کی طرح  
 غم سے تیسروں کی کمر میں خم کمانوں کی طرح  
 عزم کے مضبوط رشتے، ہاتھ سے چھوٹے ہوئے  
 زنگ کے پردوں میں، تلواروں کو دل ٹوٹے ہوئے  
 ہند کچھ سُنتا نہیں، کس سے کہوں یہ ماجرا  
 یہ ہے انسانوں کا جنگل کون سُنتا ہے صدا

# شبابِ کمال

نظر پڑی مری کل اک ضعیف عورت پر  
 جس میں یہ ثبت تھی اس طرح ماہ و سال کی مہر  
 غمِ شباب سے یوں جھڑپاں تھیں غارش پر  
 سپاٹ لوحِ حبیب کا نہ پوچھئے عالم  
 فسردہ جلوۂ و محروں جمال و خفۂ نظر  
 مہِ صیام کی جیسے فسردہ ساعتِ ظہر  
 سحر کو جیسے جوانی کا پُرسشکن بستر  
 سفید برگ سے گویا اڑی ہوئی شبنم  
 کہ اتنے میں جو اٹھایا نظر جھکا کے ستار  
 لبوں پہ آگئی سُرخ دماک اٹھے رخسار  
 اٹھی نظر تو قمر کا ہوا جب سین پہ نزول  
 فسردہ شیب کو دینے لگی نویدِ شباب  
 ہنر کے حُسن جنوں خیز کو نہ کیوں چاہوں  
 بڑھی جوتان کی گرمی تو دیکھتا کیا ہوں  
 بے جو لب تو برسنے لگے گلاب کے پھول  
 مچل مچل کے رگ و پتے میں جنشِ مفسر اب  
 بے لاسِ نعمت پہ گویا کنول جلائے ہوئے  
 کھڑی ہوئی ہے جوانی نقاب اٹھائے ہوئے

# شرابِ پرتگالی

گھٹائیں وہ اٹھیں قبلے سے کالی  
 خطا کیا ہے، اگر میں جام بھر کر  
 بہار آئی ہو اٹھ اے بادہ کش، اٹھ  
 شرابِ تلخ میں، آ، غرق کر دیں  
 دو عالم کی جوانی پر ہے بھاری  
 نہ جانے کون تھا وہ مومنِ پاک  
 خدا را چھینک دے تشریفِ ناموس  
 اُمورِ شرع کا اللہ والی  
 غمِ دنیا سے دل کرتا ہوں خالی  
 بر غمِ توبہ فرمایاں عالی  
 خطیبِ شہر کی شیریں مقامی  
 مئے انگور کی سپیرا نہ سالی  
 یہاں جس نے بنائے کھڑوالی  
 بوضع عاشقانِ لا اُبالی  
 ترے اشعار کے شیشوں سے اے جوش  
 چھلکتی ہے شرابِ پرتگالی



کیا چھونک دیا کان میں عفریتِ ریا نے؟  
 سلمائے وفا سے ہے جو اس درجہ تشرّد  
 کچھ آپ میں اس طرح معائب ہوئے پیدا  
 رحمن کے گھر جیسے ہو شیطان تولّد  
 آج اہل ہوس میں بھی نہیں آپ نمسو دار  
 کل حلقہ عشاق میں حاصل تھا تفرّد  
 کل عشق کی محراب میں ہوتی تھیں نمازیں  
 اب گنبدِ اغراض میں پڑھتے ہیں تہجد  
 کیوں زراغ ہیں اب کنگرہ اہلِ دول کے  
 تھے خیر سے پہلے تو سلیمان کے ہد ہد  
 یوں آپ کو اب اہلِ ریا سے ہے تشابہ  
 اشعار میں جس طور سے ہوتا ہے تو اُرد  
 یہ کہہ کے رکھا ہی تھا کہ ہاتھ نے صدادی  
 ”ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد

# قلبِ ماہیت

اک مدغمی ہوش سے کل میں نے یہ پوچھا  
 آتے ہی دکن آپ یہ کیوں ہو گئے بے خود؟  
 حیراں ہوں کہ اس فطرتِ خود دار کے اندر  
 پیدا ہوا کس طور سے میلانِ تعبُّد؟  
 تھا پیشتر اس سے تو بہت دعوئے احلاص  
 سالوس برتنے میں ہے اب کیوں یہ تشدد؟  
 ے دے کے ہے اب تو ایمنی ٹیشن ہی کی لہٹ  
 حضرت تو یہ فرماتے تھے بندہ ہے زمرود!  
 کل ساکنِ کعبہ تھے، اور اب دیرنشین ہیں  
 پیدا ہوا کیوں لفظِ مُعَرَّب میں تہبُّد؟  
 کل محفلِ خواہاں میں تھے، اور آج ہیں تنہا  
 کیوں دُکھِ تازیانی سے لڑا کے تجسُّد؟

چل رہی ہے آج کچھ اس کوچ سے بادِ مراد  
 بحسب میں کشتی ہوا پر بادِ باں سرشار ہے  
 ساجد و مسجود میں دشوار ہے آج امتیاز  
 سر اگر بدست ہے تو آستان سرشار ہے  
 آئینہ کیسا، سکندر کو ہے حال آیا ہوا  
 انس و جان کیا، خود خدائے انس و جان شایہ ہے  
 حُسن اگر مدہوش ہے تو عشق ہے مدہوش تر  
 کارواں سے بڑھ کے میرِ کارواں سرشار ہے  
 پھر لبوں کی گلِ فروشی سے جواں ہنرِ زندگی  
 پھر کمر کے کوچ سے عُمیرِ رواں سرشار ہے  
 جوشِ اے سرخیِ رنداں، مر جا صد مر جا  
 آج تیرے جام سے ہندوستان سرشار ہے



# سرساریاں

آج تو ہرزہ اے پیرِ نغاں سرشار ہے  
 رند کیسے، خود شرابِ ارغواں سرشار ہے  
 وقت کی رفتار میں پیدا ہیں لاکھوں لغزشیں  
 رُوحِ ماہ و سال کیا، کون و مکان سرشار ہے  
 کیف میں ڈوبے ہوئے ہیں مٹربوں کی زبردِ ہم  
 نشہ چھایا ہے زمیں پر، آسماں سرشار ہے  
 پستی و بالائی و مرگ و حیات و ہست و بود  
 آج تو انساں کا ہر وہم و گمناں سرشار ہے  
 باغِ عشرت میں نشاطِ مے کشاں ہی غرقِ جاں  
 گونے عصمت میں گروہِ قدسیاں سرشار ہے  
 جسم سے تا عالمِ ارواح چھایا ہے سُور  
 داستاں گوہی نہیں، خود داستاں سرشار ہے

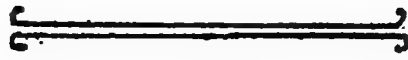
دھجیاں اُڑتی ہوئی لمبوسِ ننگ و نام کی  
 دل میں موجِ درد، سرِ پیرِ بدلیاں اوہام کی  
 ہر تبسم، آنسوؤں کی اوس میں ڈوبا ہوا  
 ہر نفس میں نرم دل کے ٹوٹ جانے کی صدا  
 اک طرف شوقِ سجد و ذوقِ تکمیلِ حیات  
 اک طرف بیدار مئی ایثار و حُبِ کائنات  
 عارضوں پر چمکیاں سی، برق و باراں کی طرح  
 زلف پر عکسِ جنوں، بالغیبِ ایماں کی طرح  
 دل مرا اس طور سے کانپا کہ سکتا ہو گیا  
 ہات تمارِ نجیر پہونچا، اور درِ داد ہو گیا  
 میں اگر در کھولنے سے روک لیتا اپنا ہات  
 ہاں ضرور اربابِ دانش کو پسند آتی یہ بات  
 نوعِ انسانی کے غم سے یوں نہ رہتا بے قرار  
 دائمی آلام کا ہوتا نہ میرے دل پہ بار



# فتح باب

عشق کی جاں بخش دیوی نے زراہِ التفات  
 دیکھ کر مجھ کو کہ یہ ہے بے نیازِ کائنات  
 اپنے اُن ہاتھوں سے جن کا رابطہ ہے ساز سے  
 میرے دروازے پہ دستک دی عجب انداز سے  
 رات آدھی آپکی تھی، اور دنیا تھی اُداس  
 دیکھتا کیا ہوں درازوں سے کہ دروازی کے پاس  
 عشق کی دیوی کے گرد و پیش ہی باروئے زرد  
 دشمنوں کی دوست داری، نوعِ انسانی کا درد  
 لالہ گوں قدموں کے نیچے فرقِ حُبِ مال و جاہ  
 سامنے مہمِ تمناؤں کی دھندلی سی سپاہ  
 لُپٹ پڑا لٹے ہوئے موہوم ہیروں سے نقاب  
 بے سرو پا جوصلے، ناقابلِ تعبیر خواب

ہیں اب بھی جوش کو جو سہارا دے ہوئے  
اُس شوخ کے وہ عہد، وہ دپیاں نہ پوچھتے



# سلام

کیا نمازِ شاہ تھی ارکانِ ایمانی کے ساتھ  
حشر تک زندہ ہے تیرا نام لے ابنِ رسول  
اُن کے آگے صولتِ دُنیا کا ذکر، او ابنِ سعد  
غیرِ حق کو کہیں دیکھو نہ آجائے جلال  
باندھتی ہو کیا ہوا اے اہرمن کی آندھو  
بہمتِ معصوم کو فاسق سے کیا خوف و خطر  
صرف رو لینے سے قوموں کو نہیں بھرتے ہیں دُن  
آنکھ میں آنسو ہوں، سینے میں شرارِ زندگی  
اہل بیتِ پاک کی ہر سانس کو اے مدعی  
جوشِ ہم ادنیٰ غلامِ علیؑ مرتضیٰ

دل بھی ٹھک جاتا تھا ہر سجدہ میں پیشانی کے تھما  
کر چکا ہے تو وہ احساں نوعِ انسانی کے ساتھ  
کھیلتی ہے جن کی ٹھوکر تاجِ سلطانی کے ساتھ  
ظالمو، ہولی نہ کھیلو خونِ ایمانی کے ساتھ  
کھیلنا آساں نہیں شمعِ یزدانی کے ساتھ  
یہ سفینہ مضحکہ کرتا ہو طغیانی کے ساتھ  
خوں نشانی بھی ہے لازمِ اشکِ افشانی کو سنا  
موجہ آتش بھی ہو بہتہ ہوئے پانی کے ساتھ  
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ  
تکنت سے پیش آتے ہیں جہاں بانی کے ساتھ

ڈالا ہے جس نے لاکے یہاں اس عذاب میں  
کیا اب بھی اُس خدا پہ سہا یاں نہ پوچھتے

(۲)

ہنگامہ وداع کسی دوشِ ناز پر  
کیوں کھل پڑی تھی زلفِ پریشاں، نہ پوچھتے  
وقتِ فراق، کاکلِ برہم کی چھاؤں میں  
افسردگی پہرہِ تاباں، نہ پوچھتے  
اُس نازین کے جذبہ بے اختیار سے  
کیوں کر حیا تھی دستِ دگریباں، نہ پوچھتے  
افشائے رازِ عشق و محبت کے خوف سے  
اُن انکھڑیوں کا گریہ پہناں، نہ پوچھتے  
وقتِ سفر چھڑی تھی جواکِ لمحہ پیشتر  
وہ داستانِ دیدہ جاناں، نہ پوچھتے  
شرمندہ ہونہ جائے کہیں رحمتِ خدا  
اُس بُت کا التفاتِ فراواں، نہ پوچھتے

# نوحۂ فراق

(۱)

فرقت میں حالتِ دل ویراں نہ پُوچھتے  
 تقدیر نے کیا ہے جو احساں ، نہ پُوچھتے  
 جس دن ہوا تھا کوچِ دیارِ حبیب سے  
 میں کس قدر تھا بے سرو ساماں نہ پُوچھتے  
 بگڑنے ہوتے نصیب کی آندھی کے سامنے  
 کیونکر چراغِ کھسائیہِ داماں نہ پُوچھتے  
 یاراںِ بزمِ اُصبحِ وطن سی عزیزی شے  
 کیونکر بنی ہے شامِ غریباں نہ پُوچھتے  
 ڈر ہے عروسِ وقت کی نبضیں نہ چھوٹ جائیں  
 شرحِ درازیِ شبِ ہجراں ، نہ پُوچھتے  
 رہ رہ کے ان پہاڑی راتوں میں بار بار  
 دُستا ہے دل کو کیوں مہِ تاباں نہ پُوچھتے

آہست گھٹاؤں کی طرح دشت میں جھوئیں      چھلکائیں مئے ہوش رُبا، جام کو چوئیں  
 کیا دہر، دو عالم کو کریں غرق سُبویں      ہستی سے گزر جائیں مچاتے ہوئے دھوپیں  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اسے زندِ خرابات

رنگین فضاؤں میں گھٹا جھوم رہی ہے      دریا میں تلاطم ہے، ہوا جھوم رہی ہے  
 لہروں پہ ملاروں کی صدا جھوم رہی ہے      ساغر میں مئے ہوش رُبا جھوم رہی ہے  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اسے زندِ خرابات

نشا بھی ہے موسم کے ٹنک راگ شرابی ؟      ہاں موڑ سُوئے ساغر و مل باگ، شرابی  
 بیانے سے پانی میں گھاگ شرابی      ہاں کاگ اُڑا کاگ اُڑا، کاگ، شرابی  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اسے زندِ خرابات

گلزار میں کوئل کی صدا گونج رہی ہے      کہسار میں پُرشور ہوا گونج رہی ہے  
 قُلُقُل سے جنوں خیز فضا گونج رہی ہے      میدان میں گھنگھور گھٹا گونج رہی ہے  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اے رندِ خرابات

کافر ہوں اگر لاؤں نہ تقوے پہ تباہی      بوتل کی یہ سُرخ، یہ گھٹاؤں کی سیاہی  
 اور اُس پر کسی شوخ کی زور دیدہ لنگاہی      بھر جام کہ آتی ہے جماہی پہ جباہی  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اے رندِ خرابات

انبوہ حسینوں کا ہے دریا کے کنارے      طوفاں ہے، تلاطم ہے، ترانے ہیں، ترانے  
 پھرتے ہیں نظر باز بھی سینوں کو ابھارے      جھولے ہیں، جھما جھم ہے، چچما جھم ہیں اشارے  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اے رندِ خرابات

گرداب میں بادل کے ہے غور شید کا بیڑا      کھاتا ہوا پھرتا ہے تھپیڑے یہ تھپیڑا  
 کس فصل میں چھیڑے گا جو آبِ آگ نہ چھیڑا      نو خیزاً منگیں ہیں کہ پانی کا ڈریڑا  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے

برسات ہے برسات

اے زندِ خرابات

ہر ذرہ ناچیں رہے، اس وقت شرابی      ہر زندِ خوش اوقات کا چہرہ ہے شہابی  
 اربابِ شریعت کو مبارک ہو خسرابی      پیانہ جھلکتا ہے، دکتی ہے گُلاہی  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے

برسات ہے، برسات

اے زندِ خرابات

میدان میں رقصاں ہے برستا ہوا پانی      یاروں کی طبیعت میں ہے دریا کی روانی  
 پہنے ہے کوئی سُرخ لباس، اور کوئی دھانی      ہر چہرہ زنگیں سے اُبلتی ہے جو اتنی  
 برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے

برسات ہے، برسات

اے زندِ خرابات

# برسات ہے برسات

آدھ تو ساون کے برستے ہوئے لہجات ہو جائے گا کل خاک یہ مجموعہ ذرات  
کرتا نہیں کیوں عشق و جوانی کی مدارات اس رت میں عبادت ہی حسینوں کی ملاقات

برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اے زندِ خرابات

ساحل پہ نئی آن ہے ہر ماہِ لفت کی ہر گام پہ کھلتی ہے گرہِ زلفِ رسا کی  
اللہ ربی کرامت اثرِ لغزشِ پاکی رہِ رَہ کے لچکتی ہے کمرِ ارضِ سُہا کی

برسات ہے، برسات ہے، برسات ہے، برسات

برسات ہے، برسات

اے زندِ خرابات

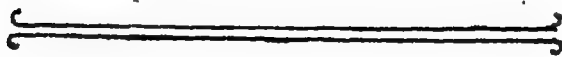


اُس جھوٹ کو صداقتِ اعلیٰ کہیں گے لوگ  
آفاق کی حقیقتِ کبریٰ کہیں گے لوگ !!



## ضبطِ گریہ

گرا نہ آنکھ سے آنسو فربہ قسمت پر  
سکون جس سے ہو وہ اضطراب پیدا کر  
مرثہ میں روک لے آنسو، کہ دل ہو آئینہ  
ستارے توڑ دے، اور آفتاب پیدا کر



پکنا رہے گا ذہن کے مہلج میں صبح و شام  
 گاتا رہے گا سانس کی گے پر یہ التزام  
 بننا رہے گا موجب تکرار میں گہر  
 سنکنا رہے گا حرف و حکایت کی آج پر  
 چڑھنا رہے گا اوج نظر پر بعد چشم  
 کا ندھے پہ ماہ و سال کے رکھتا ہوا قدم  
 گاتا رہے گا وہم کی بزم سرود میں  
 پلٹنا رہے گا وقت کی نادیدہ گود میں  
 لیتا رہے گا حائرہ نزدیک و دور کا  
 پیتا رہے گا دودھ سینن و شہر کا  
 دامن عقل و جیب نظر بھاڑتا ہوا ،  
 ذہنوں کی رفعتوں پہ علم گاڑتا ہوا  
 تا آنکہ ایک روز وہی ناسزا دروغ  
 حاصل کرے گا حلقہ عالم میں وہ فروغ

# پروپیگنڈا

وہ جھوٹ، بار بار جو بولا گیا ہے آج  
 اس وقت جس کے نام سے ہوتا ہے اصلاح  
 حق کی قلیل فوج سے کرتا رہے گا جنگ  
 بھرتا رہے گا ریب میں رہا نیت کا رنگ  
 ڈھلتا رہے گا قالب صوت و کلام میں  
 چھپتا رہے گا مطبع تبلیغِ عام میں  
 دائم رہے گا گرم سفر ایک حال پر  
 مخلوق کی حدیث و روایت کی تال پر  
 کھوتا رہے گا اپنی ضلالت گزیدگی  
 پاتا رہے گا شام و سحر سے رسیدگی  
 آہتا رہے گا اہل جہاں کی زبان پر  
 چڑھتا رہے گا نشر و اشاعت کی سان پر

گردش میں ہیں سروں پہ اٹھائے گلابیاں  
 ترکانِ ماہِ پارہ و خوبانِ لالہ و نام  
 آیا یہ کون راہِ طرب کو چھپتا ہوا؟  
 چہرہ تو کہہ رہا ہے کہ ہے رہبرِ نام  
 آنے دو، اس بزرگ کو، آنے دو رو برو  
 لازم ہے ہر جوان کو پسیری کا احترام  
 یہ ریش، یہ عمامہ، یہ حق آشنا نظر  
 راہِ طرب کی منکر میں نظریں یہ سُوتے جام  
 ہاں۔ اس طرف۔ قریب۔ ذرا اور کچھ قریب  
 اچھا..... جنابِ خضر ہیں! وعلیکم السلام!



# راہِ طرب

اللہ رے آج جشنِ خرابات کا فروغ  
 لرزش میں تارِ ساز ہے، گردش میں دُورِ جام  
 چھائی ہوئی ہے عرش سے تافرش چاندنی  
 رقصندہ آبِ نہر ہے تابندہ سقفِ وہام  
 جھکتی صراحیوں میں ہے رُوحِ رباب و چنگ  
 اُٹھتی جوانیوں پہ ہے نورِ مسِ تمام  
 نکھری ہوئی ہے نشے سے متناک چاندنی  
 دُوبی ہوئی ہے کیف میں بادِ سُبکِ خرام  
 نغمے ہیں اپنے چشمہ سہاں سے ہم کنار  
 رُوحیں ہیں اپنے مرکزِ اصلی سے ہم کلام  
 جبریل سے بھی اُٹھ نہ سکے جس کا ایک حرف  
 وہ آ رہے ہیں عالمِ ارواح سے پیام

جو ایک بات پہ گُری تو ایک بات پہ عرش  
 زمیں کے فرش پہ وہ آسمانِ وقار ہوں میں  
 غورِ عصمتِ کروبیان ہفتِ افلاک  
 قدم پہ جس کے جھکے وہ گناہ گار ہوں میں  
 دھڑکتا ہے مرے سینے میں دل رسالت کا  
 اگرچہ کافر و مست و شراب خوار ہوں میں  
 نہیں شراب کی حاجت نہیں مجھے واللہ  
 کہ اپنی ذات سے صہبائے مشکبار ہوں میں  
 مگر فقط پئے تہذیبِ نفسِ ہم نفساں  
 شریکِ محفلِ رندانِ بادہ خوار ہوں میں



# برائے ہمنفساں

خدا کا شکر کہ دورِ خزاں میں بھی اے جوش  
 زبانِ دہر پر افسانہ بہا رہوں میں  
 ہر ایک آہ کو، ساری طرب نہ کیوں سمجھوں  
 کہ فطرتِ غم گیتی کا راز دار ہوں میں  
 جو غم کی گرم چٹانوں سے پھوٹ نکلا ہے  
 زمینِ دل پہ خوشی کا وہ آبشار ہوں میں  
 ستموم نے جسے پالا ہے وہ گلستاں ہوں  
 خزاں نے جس کو سنوارا ہے وہ بہار ہوں میں  
 نگاہِ حق میں ہوں رُشن ضمیر و پاک نہاد  
 مذاقِ شجیع میں بدکیش و ہرزہ کار ہوں میں  
 بڑی دلیل ہے یہ بھی مری بلندی کی  
 کہ پیشِ زہد و ورع مستحقِ دار ہوں میں

# شاعر کا ایشار

تجھے خبر بھی ہے ہندو سناں! کہ تیرے لہو  
 رواں ہو دار و رسن کی طرف تری جانب  
 وہ آج نوکِ سناں کا ہے والہ و شیدا  
 بنا ہوا ہے گدائے رو نگارِ دماغ  
 وہ آج تیغِ رواں کا ہے ہدم و دسار  
 وہ آج طنطنہٴ طبلِ جنگ کا ہے امیں  
 شعاعِ مہرِ خزاں سے ہے آج گرمِ کلام  
 وہ آج صرصرِ خورشید سے ہے گرمِ ستیز  
 عمل پسند ہے، غفلت شعار تھا جو شخص  
 اسیرِ حلقہٴ گیسوئے یار تھا جو شخص  
 ہلاکِ طرۃٴ زلفِ نگار تھا جو شخص  
 دیارِ دل کا کبھی شہر یار تھا جو شخص  
 رفیقِ سر و لبِ جو تیار تھا جو شخص  
 انیسِ رمزِ مہ آیشار تھا جو شخص  
 خطیبِ منبرِ ابر بہار تھا جو شخص  
 نسیمِ پیشہ و شبنمِ شمار تھا جو شخص

وہ آج صاعقہٴ بردوشِ ویل بر کف ہے  
 سمنِ بدست و چمنِ درکنار تھا جو شخص





زندگی میں جب کوئی امر و نہی باقی نہیں  
 کاوشِ فردا سے دل کو اب پیشیاں کیا کروں  
 آندھیاں ایسی چلیں، گل ہو گئی شمعِ مُراد  
 اب چراغِ زندگی کو زیرِ داماں کیا کروں  
 چاندنی ہے، باغ ہو صہبائے، لیکن وہ نہیں  
 اے صبا کیونکر جیوں، اے ماہِ تاباں کیا کروں  
 ہائے وہ ناشستہ جلوے، ہائے وہ انگڑائیاں  
 ہم نشیں اب مقدمِ صبحِ درخشاں کیا کروں  
 دیکھتی تھی نبضِ موسمِ جس کے ڈوروں میں نگاہ  
 ہائے وہ آنکھیں۔ میں اب سیرِ بہاراں کیا کروں  
 یہ جدائی، اور یہ راتیں بھری برسات کی  
 چُھ رہی ہے پہلوؤں میں موجِ باراں کیا کروں  
 ہائے وہ شمشادِ رقصاں، ہائے وہ سرورِ رواں  
 جوشِ اب نظارۂ ابرخسہ اماں کیا کروں

# امروز بے فردا

موت کے آغوش میں جینے کا سماں کیا کروں  
 کیا کروں اے پیچ و تابِ شامِ ہجراں کیا کروں  
 اب نہ نقدِ عافیت باقی، نہ توقیرِ حیات  
 اب خیالِ دُزد و خوفِ دشمن جاں کیا کروں  
 دل سے تاذرات و انجم کوئی شے ساکن نہیں  
 کیا کروں اے گردشِ گردنِ گرداں کیا کروں  
 بھاگتی ہیں راحتیں مجھ سے جدھر جاتا ہوں میں  
 اے مذاقِ خدمتِ عسیر گریزاں کیا کروں  
 سر میں اک سودا سا ہی اور وہ بھی سودا عشق کا  
 دل میں اک خنجر سا ہے اور وہ بھی غریاں کیا کروں  
 ہو چکا ہے فنکِ ننگ و نام سے فانیع دماغ  
 اب یہ دامن کیا کروں، اب یہ گریباں کیا کروں

بہکیں بہکیں، شوق سے بہکیں

موجِ باراں

بادہ گساراں !

کھولیں، رُخ پر زلفیں کھولیں

موجِ باراں

بادہ گساراں !

کھیلے، کھیلے باغ میں کھیلے

موجِ باراں

بادہ گساراں !

شرع فریباں، توبہ شکاراں

موجِ باراں

بادہ گساراں !!

ماہ نشیناں، مہر سواراں

موجِ باراں

بادہ گساراں !!

لرزشِ مے سے موجِ باراں

موجِ باراں

بادہ گساراں !!



# موجِ باراں

|                               |                              |
|-------------------------------|------------------------------|
| یادہ گُساراں ! یادہ گُساراں ! | یہ رنگِ چین ، یہ ابرِ بہاراں |
| موجِ باراں                    | موجِ باراں                   |
| یادہ گُساراں !!               | یادہ گُساراں !               |
| لحنِ حریفان ، صَوْتِ ہزاراں   | گُونے گُونے ، کُنچ میں گُونے |
| موجِ باراں                    | موجِ باراں                   |
| یادہ گُساراں !!               | یادہ گُساراں !               |
| برقِ تاباں ، رُوتے نگاراں     | چمکے ، چمکے ، ناز سے چمکے    |
| موجِ باراں !!                 | موجِ باراں                   |
| یادہ گُساراں !!               | یادہ گُساراں !               |
| نغمۂ خوباں ، خندۂ یاراں       | مچلے ، مچلے ، رُوح میں مچلے  |
| موجِ باراں                    | موجِ باراں                   |
| یادہ گُساراں !!               | یادہ گُساراں !               |

اُڑ سکوں عرشِ بریں پر، اور سمندر پر چلوں  
میں ہوں شاعر اس قدر اچھی تمنا کیوں کروں؟

”لے یہ دُنیا کے خزانے ہیں، یہ نقد و جیش دیں!“  
اے خدا! شاعر سے یہ کہنا تجھے زیبا نہیں  
مجھ کو تو بغیرِی دے، اور نہ شاہنشاہ کر

بن پڑے تو ستر موجودات سے آگاہ کر  
اپنے اہلِ خال و خد سے آشنا کر دے مجھے  
بندگی اک جہلِ مطلق ہے ”خدا کر دے مجھے“



# علم کی تشنگی

دولتِ دنیا؟ نہیں! آسائشِ عقیقے؟ نہیں  
 اتنی پستی، کم سے کم، میرے لئے زیبا نہیں  
 عرصہ عشرت نہایت تنگ ہے میرے لئے  
 خواہشِ دنیا و عقیقی تنگ ہے میرے لئے  
 نعمتِ حُور و طُہور و دولتِ تاج و سریر؟  
 ہو نہیں سکتے ہیں میرے ولولے اتنے حقیر  
 اس زمیں کو، اور خطابِ نعمتِ بسا زردوں؟  
 آسماں بھی سامنے آئے تو ٹھوکر مار دوں  
 اپنی چو کھٹ پر جھکاؤں صرف گردوں کی جہیں؟  
 اس تصور کو بھی میں برداشت کر سکتا نہیں  
 کیا؟ میرا نقشِ قدم ہو، اور جہیں آفتاب!!  
 اس قدر ادا فی نہیں میری تمناؤں کے خواہ

زہرِ ہنسر کہ زخمِ لاف، امتحانِ شہرِ است      ”بیاز باؤ مکُن پیش از امتحانِ انکار  
 ”بے کلیم و کاذب بُجو تم! کو نیل؟“  
 ”بے خلیلم و نا پختہ دعو تم! کو نار؟“  
 (غالب)

## در حدیثِ دیگر ال

کل بارگہ ناز میں بنے یہ کیا عرض،      بُلبُلِ طلبِ گل میں ہے اک عُمر سے مُضطر  
 کیا یہ ستم ہے کہ کسی عہد میں اب تک      بُلبُل کی صداؤں سے یہی جانہ گلِ تر  
 یہ سُنتے ہی پیدا ہوئی رُخسارِ پُسرخی      کچھ شرم کے آثار، تو کچھ غیظ کے تیور  
 پُسرخی سی جھلکنے لگی اک دُھوپ سی ناگاہ  
 وہ دُھوپ چمکتی ہے جو تتلی کے پروں پر

# دعوتِ امتحال

دلِ سخن کی قسم، روحِ شعر کی سوگند  
 وہ روح سوئی ہوئی ہے جو نرمِ عالم میں  
 نقاب اٹھا کے ہر کُصجِ رقص کرتی ہے  
 نگار خانہ گیتی، مرے کلام کا صید  
 زمینِ شعر ہے مجھے، فلک بدوش، چمن  
 طلوع ہو گا جو، اب سے ہزار سال کے بعد  
 ہر ایک لفظ مرادی شعور و غمہ طراز  
 ندیمِ چشم ہے، ارض و سما کی جلوہ گری  
 فرازِ شعر ہے میرے سخن کی قوسِ قزح  
 کنارِ بحر میں جس شان سے منارہ نور  
 مرے حضور، عناصر ہیں حاجب و درباں

کہ آج مجھسا نہیں مردِ نادرہ گفتار  
 مرے دماغ کے خلوت کہ میں ہی بیدار  
 مرے ضمیر کی مسند پہ لیلیٰ اسرار  
 طلسمِ خانہ گردوں، مرے سخن کا شکار  
 دیارِ نطق ہے مجھے، جتناں بکف گلزار  
 وہ آفتاب ہے میری نگاہ میں ضو بار  
 ہر ایک حرف مرادی حیات و زفر مبار  
 رفیقِ گوش ہیں، کونین کے لبِ گفتار  
 کہ دوشِ طفلِ برہمن پہ جلوۂ زتار  
 جبینِ وقت پہ رختاں ہیں یوں مری شعار  
 مری جناب میں روحِ الایں عطا بردار



عطا ہوں دوسروں کو تمغہ ہائے خوشنودی  
 ہماری سمت نہ لیکن پھر بے نگاہِ کرم  
 جگر نہ خون ہو کس طرح اس تماشے سے  
 ”کہ مے خور زند حریفان و من نظارہ کُنم“



وطن کے حق میں ہوائیں ہیں جس کی بادِ سُموم  
 فضا میں شان سے لہرا رہا تھا وہ پرچم  
 بفتہِ رِسعٰی برادرِ کُشتی و بُغضِ وطن ،  
 برس رہا تھا ہر اک کے چمن پر ابرِ کرم  
 رہیں کیفیت و طرب تھے تمام درباری  
 سوائے حضرت ”فاضلؒ“ کہ تھے اسیرِ اَلَم  
 کہا کسی نے کہ حضرت مزاج کیسا ہے؟  
 یہ کس ملال سے رُخِ زرد ، اور چشم سے غم؟  
 یہ سُن کے حضرت ”فاضلؒ“ نے آہ بھر کے کہا  
 ہنسائیں جائیں حریف اور رُلائے جائیں ہم  
 خبر بھی ہے کہ بہ تقریبِ تاج پوشی شاہ  
 مری غذا نے بھرے تھے گداگروں کے شکم  
 لے ایک بار غریبوں پہ رحم آیا تھا  
 سو وہ بھی از پے خوشنودی شہِ اکرم

ہر اک اداسے یہ آتی تھی پئے نہ پئے آواز  
 ”ہمیں نہ چھیڑنا دیکھو تمہیں خدا کی قسم“  
 لرز رہی تھی غسرو فرنگ کے آگے  
 وہ قوم تھی جو کبھی رازدارِ سیف و شلم  
 جو بادشاہ میں ہر شخص تماشگفتہ و شاد  
 عطاے تمغہ سے ہر فرد تھا خوش و حُترم  
 اگرچہ بیٹ شاہی سے نطق تھے بے کار  
 ہر ایک پہرہ مگر کہ رہا تھا یہ پیہم  
 ”کہ حکم اگر ہو تو ادنیٰ سے اک اشارے پر  
 تمام قوم کے دم بھبر میں سر اڑا دیں ہم“  
 ”تمام قوم ہے کیا چیز اے شہِ ذی جاہ  
 فدائے طرۃ تاج تو مادر و پدرم“  
 ہر ایک چیز تھی القتہ زب و زین میں غرق  
 سوائے کاکلِ حُب وطن، کہ تھی برہم

# محروم تمنعہ

سنا ہے چیف کمشنر کاسٹام کو دربار  
لئے ہوئے تھا شکوہ خدیو صولتِ جم

ادھر غلام تھے اُس سمت حاکمِ جبّار  
ادھر مرلیش تھے، اُس سمت عیسیٰ مریم  
ادھر قناکی اُداسی، اُدھر بقا کی بہار

ادھر حدوث کاشیون، اُدھر خروشِ قدّم  
ادھر تھے بخت سے دلدادگانِ لچھن و رام  
ادھر تھے خیر سے وابستگانِ خیر اُمم

ادھر تھا قلعہ شاہی، جوابِ گورستان  
ادھر تھا قصرِ شہرنگی، مثالِ باغِ اَرَم  
وہ لوگ جن کے آب و جد تھے قلعہ گیر و دلیسر

کھڑے ہوئے تھے بہ اندازِ دُشترانِ حرم

---

۱۔ بعض حالتوں میں عطف و اضافت کے ساتھ "دن" اعلان کو میں جائز سمجھتا ہوں۔

# انتظار کے دن

صبا ادب سے یہ کہنا کہ ہیں بہار کے دن  
شرابِ سُرخ کی راتیں ہیں، لالہ زار کے دن  
زمانہ رقص میں ہے، روزگارِ نغمہ سرا

مگر خموش ہیں اس تیرہ روزگار کے دن  
ترے خیال میں گریاں ہیں تیری یاد میں گم

یہ ماہتاب کی راتیں یہ آبشار کے دن  
فرازِ کوہ سے چھوٹے ہیں نوبہار چشے

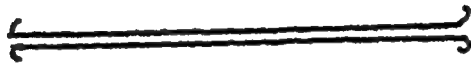
پھر یں گے اب بھی نہ کیا چشمِ اشکبار کے دن؟  
تجھے خبر ہو تو کیوں کر کہ کن بلاؤں میں؟

گزر رہے ہیں ترے شاعر بہار کے دن

خدا گواہ کہ کاٹے سے اب نہیں کشتیں یہ انتظار کی راتیں یہ انتظار کے دن

لے دہر ہے تو، یہ گداسیاں تاجنڈ  
 نظر میں سطوتِ صد شہر یار پیدا کر  
 بہار میں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے  
 جو مرد ہے تو خزاں سے بہار پیدا کر

مذاقِ بندگیِ عصرِ نو کی تھک و قسم  
 نئے مزاج کا پرور دگار پیدا کر



# نوجوان سے خطاب

اُٹھ، اوز میں پہنیا لالہ زار پیدا کر  
عقولِ مُردہ و مرطوبِ نوعِ انسان ہیں  
مٹا دے سلسلہ آلِ خلد و نسلِ جیم  
ضمیرِ اہلِ مناجات کے تعطل ہیں  
نئے اصولِ سنا و جزا کی دے تعلیم  
نظامِ کہنہ نیلی رواق، وہم و فریب  
غلط ہے، سازِ عجبم ہو کہ لحنِ اعرابی  
بہت بلند ہے سطحِ مذاقِ فکرِ جدید  
جمی ہوئی ہے دماغوں پہ برفِ ہریت  
فیسردہ گامی اہلِ جہاں کے حلقے میں  
کُلاہِ خواجگی کائنات کج کر کے

نہ آئی ہو جو کبھی وہ بہار پیدا کر  
شہرِ اور شعلہ و دود و بخار پیدا کر  
اُٹھ، اور ملتِ حکمت شعرا پیدا کر  
خروشِ جذبہ تکمیل کا پیدا کر  
نیا تختِ روزِ شمس پیدا کر  
نیا تصویرِ لیل و نہار پیدا کر  
نیا ترانہ سرِ شاخسار پیدا کر  
نظر میں آوجِ سرِ کوہسار پیدا کر  
دلوں میں دولتِ برق و شرار پیدا کر  
جواں خیرائی ابرِ بہار پیدا کر  
نیا زمانہ نیا روزگار پیدا کر

# دردِ محبت

ہنہشیں، دردِ محبت، مجھے معلوم نہ تھا  
 عشق کی وادی حیرت میں قدم رکھتے ہی  
 کہتے ہیں اہل جہاں عشقِ محبا زہی جس کو  
 دل جب آتا ہے تو دنیا کے کسی گوشہ میں  
 زندگانی کے ستارے ہوتے انسان کے لئے  
 وصل کہہ کر جسے دل شاد کیا کرتے ہیں  
 محسن خود بڑھکے کلجے سے لگالے سوار  
 عشق میں بسترِ سنباب ہو یا تختِ گل  
 جس کو بھٹکا ہوا انسان خوشی کہتا ہے  
 پہلوتے یار میں بھی خوش نہیں ہونے دیگی  
 اتنی ہوتی ہے اذیت، مجھے معلوم نہ تھا  
 خود سے ہو جاتی ہر وحشت، مجھے معلوم نہ تھا  
 وہ بھی ہر عینِ حقیقت، مجھے معلوم نہ تھا  
 انہیں لگتی ہے طبیعت، مجھے معلوم نہ تھا  
 موت ہوا یہ رحمت، مجھے معلوم نہ تھا  
 اصل میں وہ بھی ہر فرقت، مجھے معلوم نہ تھا  
 پھر بھی ملتی نہیں راحت، مجھے معلوم نہ تھا  
 نیند آتی ہے بدقت، مجھے معلوم نہ تھا  
 وہ بھی ہے غم کی امانت مجھے معلوم نہ تھا  
 اتنی ظالم ہے مشیت، مجھے معلوم نہ تھا

لو گر فناِ غمِ ہجر کے حق میں اے جوش

رات ہوتی ہے قیامت، مجھے معلوم نہ تھا



اِس شخص کے سینے میں ہیں بیگانے بھی داخل  
 یہ صرف بیگانوں ہی کا غمخوار نہیں ہے  
 ہاں خانہ دشمن کی بھی جباروب کشی میں  
 واللہ کہ اس شخص کو کچھ عار نہیں ہے!  
 اِس واقعہ ماحول و وراثت کی نظر میں  
 قاتل بھی ملامت کا سزاوار نہیں ہے!  
 آواز دو آواز کہ یہ رندِ سرخ خوار  
 کیا دوست کہ دشمن سے بھی بنیڑا نہیں ہے!  
 اس محرم خودداری عُشّاق کے نزدیک  
 ابلیس بھی مردود و گنہگار نہیں ہے!  
 رکھے گا وہ، اور تجھ سے عداوت کا تعلق؟  
 کونین سے کچھ جس کو سروکار نہیں ہے!  
 خود جنسِ دو عالم ہو تو ہو اُس کی خیریدار  
 وہ جنسِ دو عالم کا خیریدار نہیں ہے!

ہاں ہاں وہ نظر باز و قدح خوار ہے یعنی  
 توفیقِ الہی کا گنہ گار نہیں ہے!  
 اس آدمِ خاکی کے ہوا خواہ کے دل کو  
 جز مہر و وفا اور کچھ آزار نہیں ہے!  
 ہاں اُس کو مبارک ہو غم و غیظ و عداوت  
 جو زلفِ محبت کا گرفتار نہیں ہے!  
 دُشنام و ملامت کا تو کیا ذکر کہ یہ شخص  
 یاروں کی شکایت پہ بھی طیار نہیں ہے!  
 اس خلوتی شاہدِ توحید کے دل میں  
 سہ شفتگی سبجہ و زُنا نہیں ہے!  
 اس واقعِ افتداد کی دُنیائے نظریں  
 بیہودگی کا سر و دیندار نہیں ہے!  
 ہاں اُس کا یہ ایماں ہو کہ اس باغِ جہاں میں  
 ہر خار و خس اک گل ہو کوئی خار نہیں ہے!

# مسکِ جوش

کیا تجھ کو ہے یہ وہم کہ دشمن ہے ترا جوش ؟  
 افسوس کہ تو واقفِ اسرار نہیں ہے  
 آگاہ ہوا گاہ کہ اس جوش کے دل میں  
 یہ ہود گئی اندک و بیا رہیں ہے  
 واللہ کہ یہ جوش ، خراباتِ نشیں جوش  
 منجملہ زُہادِ ریاکار نہیں ہے !  
 وہ نشہ صہبا کا ہے چڑھتا ہوا پارہ  
 ہاں زہد کی گرتی ہوئی دیوار نہیں ہے  
 ہو اُس میں جو ہے ابر کی مستانہ خرامی  
 رکتی ہوئی بنصوں کی تو فستار نہیں ہے

رشتہ نہیں جڑتا ہے، مگر بوڑ رہی ہے      تقدیر کی دہلیز پر سر پھوڑ رہی ہے  
 تکمیل کی باتوں سے غناں پھوڑ رہی ہے      کج بخت تہمتا ہے کہ دم توڑ رہی ہے  
 کم سن کے لئے موت ہے شوہر کا بڑھاپا

اک رات بھی کج بخت سہانی نہیں آتی      نیند آئے، کوئی ایسی کہانی نہیں آتی  
 وحشت میں کوئی بات بنانی نہیں آتی      قابو میں کسی طرح جوانی نہیں آتی  
 کم سن کے لئے موت ہے شوہر کا بڑھاپا



# پورھا شوہر

ہر سانس ہے اس حلقہ سوراں میں جلایا      اک تہری، اک تہری، اک تہری سہراپا  
تو لاکھیں بجلی نے، کبھی آگ نے ناپا      یہ چیز ہے واللہ سہاگن کا رٹنڈاپا  
کمرن کے لئے موت ہے شوہر کا بڑھاپا

بھولے سے بھی جس وقت ذرا آنکھ اٹھائی      منہ پوپلا، بگڑی ہوئی صورت نظر آئی  
دی تازہ تمناؤں نے گھبرا کے دھائی      ہونے لگی نفرت ریر و جوانی میں لڑائی  
کم سن کے لئے موت ہے شوہر کا بڑھاپا

چبھتا ہوا اک تیر ہے بالوں کی سفیدی      چہرے پہ ہے کمزور بصارت کی اداسی  
بُواتی ہے ہر سانس سے کافور و کفن کی      اور ایسے کے آغوش میں بھر پور جوانی  
کم سن کے لئے موت ہے شوہر کا بڑھاپا

بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی      ہندی کفن رنگیں میں لگائی نہیں جاتی  
اچنے کو صورت بھی دکھائی نہیں جاتی      وہ آگ لگی ہے کہ ٹھجائی نہیں جاتی  
کم سن کے لئے موت ہے شوہر کا بڑھاپا

مُچھولِ حُمن کے، مَوَلیٰ بچیں، شاخیں چٹکیں دھان

شاعر اور مُکرِ دُنیا، عاشق اور بیسویار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

شیر کے مُنہ میں سُرِ دیدے اور ناگ کے بل میں تھ

پیٹ پُرانا پانی ہے، اس پانی سے ہُشیار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار



آدم کا باز کا بیٹا اور بھڑوسے پن کا روپ  
 خواکی سندر بیٹی اور رنڈی کا بیوہ ہار  
 پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

سوامی خاقوں سے تنگ آ کر انچ دے اپنا دل  
 گھر کی چوکھٹ پر گھر والی روئے زار قطار  
 پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

لو باڈر سے گر گر کا پنہ، پتھر پتھر تھسہ ہوئے  
 مایا کی لے تیر کٹاری بل بے تیری دھار  
 پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

ناداں بیٹھے کشتی میں اور دانا غوطے کھائے  
گتتا سوئے گتے پر اور ٹہلے چوکیدار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

بھینس کے آگے بن بجائیں نے سر کے استاد  
بٹ کے آگے سرس نوائیں دھرتی کے اوتار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

کوؤں کو اور راگ سُنائے کو تل بن کے بیج  
منعم کی اور سیج بسائے مفلس کا دلدار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار



سُورج کو پروانہ بنادے، دُڑوں کی قندیل  
شہباز کو اپنی دُھن پہ نچائے کوئوں کا تہوار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

فاضل کا اور رنگ اُڑا دے جاہل دولت مند  
باقی کا اور غون بہا دے چھوٹی کی تلوار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

بُھولے بھالے ریشیوں کو سازش کے سکھائے ڈھنگ

اچھے اچھے ویروں کو چوری پہ کرے طیار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

۱۵ یہ نظم بحر سے بے نیاز ہو کر لہریں کہی گئی ہے۔

# پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

شیر بیر اور نیوے کی گردن میں ڈالے ہار  
اثر در کے اور ہوش اُڑا دے چو ہے کا دربار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

دولت کے آگے سر ٹیکیں بڑے بڑے گبھیر  
زر کے آگے بھاؤ بتائیں بڑے بڑے سردار

پیٹ بڑا بدکار

پیٹ بڑا بدکار ہے بابا

پیٹ بڑا بدکار

# ریق لے

یہ کس نے آج سایہ ابر بہا رہیں  
 ہر تار میں تلاطمِ درد و خروش آہ  
 چھاتی دھڑک رہی ہو تو آنکھیں میں شکبا  
 ہر بزمِ تان، رُوح سے پوستِ مُنقَل  
 میزانِ کشمکش میں ترانے ٹٹلے ہوئے  
 ہر شعبہ صدا خیمِ گیسو لیے ہوئے  
 گویا جنوں کی تیز سواری اُتار پر  
 ضوسی، کتابِ عشق کے ہر ایک حرف پر  
 ہر تالیوں رقیق ہی جس طرح موج مے۔

بھر دیں دل شکستہ کی ضربیں ستار میں  
 آہن میں ہے وہ لوح کہ اللہ کی پناہ  
 گویا بجار ہا ہے کوئی آنسوؤں کے تار  
 ہر زمزمے میں ایک طرکتا ہوا سادل  
 فطرت سرائے دل کے دریچے کھلے ہوئے  
 ہر لے کا لوح، خون کے آنسو لہو ہوئے  
 رُوحوں کا رقص تیغِ محبت کی دھار پر  
 تالوں کی دھوپ، عمرِ گزشتہ کی برف پر  
 کیسے کوئی بتائے ہے کیونکر ہر ایک نے

اُترتی چڑھی، تڑپ کے گری، مڑ کے پھر گئی  
 پھرتے ہی میرے دل کے سمت دریں گز گئی

کیا یہی تیری تجارت ہو خدائے بے نیاز  
 اے خدائے عقل، میں محنون ہوں تو ہوشیار  
 مفت بھی تو سیم وزربخشے، تو لے سکتا نہیں  
 الحذر، مل جائے دولت اور گم ہو جائے جوش  
 شاعرانہ شکوہ سنجی سے مری بارِ خدا  
 دے رہا ہی سیم وزر، اور لے رہا ہی سٹوساز؟  
 ہو نہیں سکتا ہے مجھ سے اور تجھ سے کاروبار  
 اپنا جو ہر کسی قیمت پہ دے سکتا نہیں  
 واہ کیا کہنا ترا، اے تاجرِ ازاں فروش  
 واقعی تو کیا اٹھانا چاہتا ہے فائدہ  
 چند ذروں کے لئے، کون و مکاں دے دوں گائیں؟

تیرے کانٹے لے کے اپنا بوستاں دید و نگائیں؟



مستقل اک خُبشِ صِدا بال و پر ہی جو خیال  
 وہ خیالِ مرگ انگن وہ خیالِ ذی حیات  
 عالمِ محسوس میں پیغمبری کرتا ہے جو  
 ہندیوں کا سازِ دل، خاموش ہے جسکے بغیر  
 ہو کے محرمِ زندگی کے خواب کی تعبیر کا  
 شکر کر، گھر میں ترے تابندہ ہو شمعِ حیات  
 شکوہ کرتا ہی تو آتھالے، یہ دُنیا ہی، یہ دیں  
 سرسبزِ مالِوس ہو جادولتِ الہام سے  
 اپنے امواجِ فکر کا ترنم پھیر دے  
 تجھ سا خوشِ تقدیر اپنے کو کہے آشفۃِ نخب  
 یہ متاعِ سیم و زر ہے، ختم کر گفت و شنید  
 قطع کر لے فطرتِ رُوحِ الایں سے اتصال  
 دیکھ یہ جنسِ زمین ہے، یہ متاعِ آسماں  
 لے یہ ضلالت کا ستارہ ہی، یہ دولت کا چراغ

عزمِ تسخیر تو اے بحرِ بر ہے جو خیال  
 جو الہِ دھس رہا ہے، پروردگارِ کائنات  
 اور اُس سے بھی بڑھے تو داوری کرتا ہی جو  
 ایشیا کا سر و بالِ دوش ہے جسکے بغیر  
 شکوہ مجھ سے کر رہا ہے گردشِ تقدیر کا!!  
 بیشتر بیماریاں ہوتی ہیں صحت کی زکوٰۃ  
 مجکو واپس کر دے اپنی فکر کا تاج و نگین  
 نو عروسِ معرفت کے نامہ و پیغام سے  
 ذہن کے لبھائے رنگیں کا تبسم پھیر دے  
 اپنا جو ہر مجکو دے دے اور لے تاجِ تخت  
 بند کر لب، بھینٹیکدے دل کے خزانے کی کلید  
 جمع کر دے میرے لافانی خزانے میں خیال  
 چھوڑ دے دستِ تحنیل سے تجلی کی عنماں  
 پھیر دے دل پھوڑے چشمِ سخن، رکھ دے مانع

قطرہ قطرہ کر کے دیتی ہے مجھے دُنیا شراب      بھیس میں تاروں کے یاں ہوتا ہے طالع آفتاب  
 سیم وزر سے بے زروں کی جیب بھر سکتا نہیں  
 بے کسوں کی بھی تو کچھ امداد کر سکتا نہیں  
 کیوں، یہ شکوے، یہ گلے، اے شاعر رنگیں نوا      اس قدر کُفرانِ نعمت، آفرین و مرحبا  
 وارثِ کونین ہو کر یہ شکایت یہ کلام      کر چکا ہوتا نہ تجھ پر کاش میں دوزخِ حرام  
 خندہٴ روحِ دو عالم جلوہٴ لیل و نہار      کیا تری چشمِ تصوّر پر نہیں ہے آشکار  
 آبشارِ کوہِ ودشت و گلشن و ارض و سما      خود تے دربار میں حاضر نہیں ہوتے ہیں کیا؟  
 کیا ترے آنخوش میں لیا تے بیداری نہیں  
 کیا ترا ہر شعر اس کونیں پر بھاری نہیں  
 سیم وزر میں دفن ہو جائیگے اربابِ دل      تیرے دامن تک نہ آئیگا کبھی ستِ اجل  
 کیا خبر بھی ہے تجھے، اے شاعر شیریں مقال      دوسروں کو سیم وزر بخشا ہی، اور تجھ کو خیال  
 وہ خیال ہما عقہ بر دوش و طوفاں و غل      جس سے دبتے ہیں عناصر جس سے ڈرتی ہے اجل  
 جو بدل سکتا ہی پل بھر میں نظامِ ہست و بود      بخشا ہے جو عدم کے جسم کو رُوح و جود  
 جو ہے تنہا کاتبِ دیوانِ بزمِ مکنات      قوتِ کونین ساز و خالقِ فات و صفات

# شاعرِ خدا

تیرے شاعر پر ہی کب سے تنگ میدانِ حیات  
 رہتی ہیں بیماریاں بھی گھر مر اگھیرے ہوئے  
 میں کہ ہوں سولہ برس سے مستقل بیمار دار  
 اک نفس کی تندرستی بھی نہیں جس کو نصیب  
 وہ رفیقِ زندگی جس پر ہو جینے کا مسدار  
 ہر نفس جس کا ہے لحنِ زندگی میرے لئے  
 جو ہر اک ٹھوکر پہ پڑھ کر روک لیتی ہی مجھے  
 جس کا ہر نقشِ قدم ہی میرے دل کی سجد گاہ  
 دستِ خالی میں لکیروں کے سوا کچھ بھی نہیں  
 کیا کہوں کس طرح بل کھاتے ہیں ل میں لو لے  
 بے بسی سے، رُوح رہ جاتی ہی میری کانپ کر  
 تیرے صمرا، تیرے کوہِ و دشت، تیرے آبشار

لے امیرِ ہر دو عالم، اے دبیرِ کائنات  
 نہ صرف عُسرت ہی نہیں مجھ پر چھری پھیرے ہوئے  
 کس طرح جاہل ہو میری جان کو صبر و قرار  
 ہے شریکِ زندگی مجھ ناتواں کی وہ غریب  
 اختلاجِ قلب کا، اور پھر رہے دائمِ شکار  
 جنگ بھی جس کی ہی پیکِ آشتی میرے لئے  
 ہر قدم پر زندگی کا درس دیتی ہے مجھے  
 ناروا آلام سے اور اُس کی حالت ہو تباہ  
 ہر مرض موجود ہے لیکن دوا کچھ بھی نہیں  
 جرنِ پراتی ہیں جب کالی گھٹائیں ناز سے  
 جب کبھی دیتا ہے موسمِ دعوتِ سیر و سفر  
 بے کسی میں کس طرح دیکھے یہ عبدِ خاکسار

تار یک شبلوں کا مجموعہ، بھونروں کی عبا و تگہ جوڑا  
 پتلی تھا چشم آہو کی، یا قلبِ سیہ تھا زاہد کا  
 مُردوں کو جلا دینے والا یوں نور تھا چشمِ تاباں میں  
 عرجم کُن کا لمحہ اول جیسے ضمیرِ نیرِ داں میں  
 آنکھوں میں شبابِ طفلی کی اک جام سے باہم نے نوشی  
 آدم و حوا کی جیسے فردوس میں پہلی سرگوشی  
 زلف پہ ٹیکے کی لڑیاں، دعوتِ جی کے کھونے کی  
 جس طرح کسوٹی پر جھلکیں زرتار لکیریں سونے کی  
 ستاروں کا پر تو پڑتا تھا، یوں عارض کے آئینے میں  
 جس طرح شبِ مہ ساحل پر، یا وحی کے فقرے سینے میں

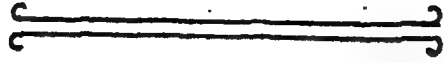




# تصویرِ حال

لہراتی تھیں زلفیں کھل کھل کر اس شان سے زنجیرِ شانوں پر  
 جس طرح گھٹائیں سادون کی جھک پڑتی ہیں منہ انون پر  
 شانوں سے کمر پر گرتے تھے یوں بال کہ دھوکا دیتا تھا  
 پیغامِ رحمت آیا ہے ، درگاہِ الہی سے گویا  
 ہنٹوں پر دھیمے نغمے تھے یا جو تھیں عویریں قمرات میں  
 مکھڑے پہ لٹوں کا پر تو تھا ، یا آبِ حیاں ظلمت میں  
 بات ، شکر کی بارشِ بہیم ، چال ، گلوں پر شمعِ شبنم  
 مست نظر تھی خنجر و مرہم ، لعلِ لب میں اسیمِ اعظم  
 ہر تارِ نظر میں غلطیدہ ، پُرسوز دلوں کی ہر تار میں  
 مکھڑا روشن ، رنگِ شہابی ، کالی زلفیں ، گوری باہیں  
 چلتی تو قدم یوں کھتی تھی دن جیسے کسی کے پھتے ہیں  
 یا ناز سے بھیگی راتوں میں شبنم کے قطرے گرتے ہیں ،

سب سے پہلے مرد بن ہندوستان کے واسطے  
 ہند جاگ اٹھے تو پھر سارے جہاں کے واسطے



گونجتی ہیں قصرِ آفاقی میں آوازیں مری  
 کُفر و ایماں سے بہت بالا ہیں پروازیں مری !  
 لیکن اس کے ساتھ ہی اے مُبتلائے کُفر و دیں  
 دولتِ حُبِّ وطن کو چھوڑ دوں، ممکن نہیں  
 حصہ ہے سب سے مُقدمِ زندگی میں "خویش" کا  
 "خویش" سے بچ جائے تو پھر مال ہو "درویش" کا !  
 سعی کرنا چاہئے پہلے تو گھر کے واسطے  
 گھر سے فرصت ہو تو پھر نوعِ بشر کے واسطے  
 تیرے لب پر ہے عراق و شام و مصر و روم و چین  
 لیکن اپنے ہی وطن کے نام سے واقف نہیں !  
 کون کہتا ہے زمین و آسمان تیرا نہیں ؟  
 کُل جہاں تیرا، مگر ہندوستان تیرا نہیں !!  
 مردِ حق کو قعرِ باطل سے اُبھرنا چاہئے  
 کتبۂ حُبِّ وطن میں سجدہ کرنا چاہئے !

مجھ سے کیا کرتا ہے ہندو کے تعصب کا کلمہ؟  
 مجھ سے کیوں کہتا ہے ہندو کی جفا کا ماجرا؟  
 تنگ فکر و تنگ داماں، تنگ ظرف و تنگ حیب  
 مان بھی لوں میں کہ ہندو عیب ہے، اور زندہ عیب  
 فرض بھی کروں کہ ہندو، ہند کی رُسوائی ہے  
 لیکن اس کو کیا کروں، پھر بھی وہ میرا بھائی ہے!  
 مرد اگر ہوں، بھائیوں کا خون پی سکتا نہیں  
 بھائیوں کا خون اگر پی لوں تو جی سکتا نہیں!  
 باز آیا میں تو ایسے مذہبی طاعون سے  
 بھائیوں کا ہاتھ تر ہو بھائیوں کے خون سے!  
 سبجہ و زنا کی لہروں ہی پر بہتا ہے تو  
 اور اس تنگی پہ مجھ کو کم نظر کہتا ہے تو!  
 تیری ہستی تنگنائے کفر و ایماں کے لئے  
 میں بنا ہوں آب و رنگِ نوحِ انساں کے لئے!

# حُبِّ وطن اور مسلمان!

ظرف، اور اس حد کا تنگ اے حامیِ دینِ نبین  
حیف اے نا آشنائے "رحمۃ للعالمین"!

اختلافِ مذہب و ملت پر اورایتنا جلال!  
بھائیوں کے خونِ ناحق کو سمجھتا ہے حلال!

حیف اے دیوار کے پابند، اے دُر کے اسیر  
اپنے جرگے، اپنے گنبد، اپنے منبر کے اسیر

دل پہ تیرے نقش ہے وہ فلسفہ ادیان کا  
کاٹتا ہے رشتہ جو انسان سے انسان کا!

چچین لیتا ہے جو لطفِ بابی کے ہتھتے  
قلب میں بھینکارنے لگتے ہیں جس سے اڑدے

مذہبی اخلاق کے جذبے کو ٹھکراتا ہے جو  
آدمی کو آدمی کا گوشت کھلواتا ہے جو

بدلی تھی فلک پر کہ جنوں خیز جوانی      بُوندیں تھیں زمیں پر کہ اُگڑٹھی کے نگینے  
 شاخوں پہ نہیں، تھے جھٹکتے ہوئے شہپر      لہروں میں لٹپیں اپنے اُبھارے ہوئے سینے  
 اس فصل میں اس درجہ رہا بے خود و شرار      مے خانے سے باہر مجھے دیکھا نہ کسی نے  
 کیا لمحہ فانی تھا کہ مُڑ کر بھی نہ دیکھا  
 دی کتنی ہی آوازِ حیاتِ ابدی نے !!



# ساون کے مہینے

فردوس بنائے مے ساون کے مہینے<sup>لہ</sup>  
 ماتھے پہ ادھر کا کلِ ثرولیدہ کی ابھریں  
 مینہ جتنا برستا تھا سہرا دامنِ کھسار  
 اللہ دے یہ فرمان کہ اس مست ہوا میں  
 دہنوںس و غم خوار تھا جس کے لئے برسوں  
 گلِ ریز تھے ساحل کے لچکتے ہوئے پودے  
 بارش تھی لگا تار تو یوں گرد تھی مفقود  
 دم بھر کو بھی تھمتی تھیں اگر سرد ہوائیں  
 بھردی تھی چٹانوں میں بھی غنچوں کی بنی می  
 گیتی سے اُلیٹے تھے تمنا کے سلیقے  
 کیا دل کی تمناؤں کو مر لُوط کیا تھا

اک گلِ سُرخ و نسریں بدنِ سُرخ و سہی نے  
 گردوں پہ اُدھر ابرِ خراماں کے سینے  
 اتنے ہی زیریں اپنے اُگلتی تھی دینے  
 ہم مہنہ سے نہ بولیں گے، اگر پی نہ کسی نے  
 مانگی تھیں عائنِ مرے آغوشِ ہتی نے  
 گلزنگ تھے تالاب کے ترشے ہوئے ریتے  
 جس طرح مے نابِ سودھل جاتے ہیں کینے  
 آتے تھے جوانی کو پسینے پہ پسینے  
 اک فتنہ کونین کی نازک بدنی نے  
 گردوں سے برستے تھے محبت کے قرینے  
 سبزے پہ چلتی ہوئی ساون کی ٹھہری نے

جادو بھری نگاہ میں اک داستانِ غم  
 آنکھوں میں غمِ جامہ درمی ہلِ غم و خلقت  
 غم کی جلو میں شکوۂ دوراں لئے ہوئے  
 شرحِ درازیِ شبِ ہجر اں لئے ہوئے  
 ہلکوں میں پارہ پارہ گریباں لئے ہوئے  
 آوازیں خراشِ رگِ جاں لئے ہوئے  
 ہر دردِ کائنات کا درماں لئے ہوئے  
 خود دوش پٹھائے ہوئے کائناتِ درد

نازِ جمالِ یار ہے حرفِ غمِ نیاز  
 اٹھ جوش، اٹھ، متاعِ دلِ جاں لئے ہوئے



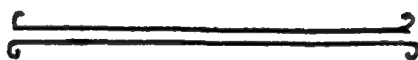


شالوں پہ کفنِ زلف پریشاں لئے ہوئے  
 نفسِ زلفہ ہائے بہاراں لئے ہوئے  
 بانہیں، جمالِ شہرِ عریاں لئے ہوئے  
 موتِ نفس میں چشمِ حیاں لئے ہوئے  
 کافرِ بھٹا کی چھاؤں میں قرآن لئے ہوئے  
 گردن کے لوث میں نیم چوڑیاں لئے ہوئے  
 جہاں بوزنگِ عالمِ امکاں لئے ہوئے  
 آنکھوں میں وہ شباب کا طغیاں لئے ہوئے  
 عشقِ زمانہ سوز کا داماں لئے ہوئے  
 آنکھوں میں القاتِ فراواں لئے ہوئے  
 چشمِ سیم میں دید کا ارماں لئے ہوئے  
 آنکھوں میں شامِ خواب پریشاں لئے ہوئے

# جھڑیاں

اس ضعیفہ کی دیکھتے صورت  
 پو پلا مُٹھ، کرہیہ، بد منظر  
 تنگ، دُھندلی، دُھنسی ہوئی نکھیں  
 حلقے گہرے سیہ بھیانک سے  
 چھاؤں ملکوں کی سر دُھیلوں پر  
 دانت دواک، قریب گھنے کے  
 گوزہ پشتی سے چال بے تاثیر  
 بال رخ پر سفید زلفوں کے  
 مُردہ لہجے کی کپکپی، گویا  
 جھڑیاں مُنہ پہ، خال و خد سنان  
 جھڑیوں میں نہاں ہے اک دُنیا  
 جن میں سوئے ہوئے ہیں مدتیہ  
 زمرے عہد کا مرانی کے  
 کس قدر جھڑیوں کی ہو کثرت  
 صُبح جیسے مریض کا بستر  
 جیسے فرمانِ قتل پر مہر میں  
 جیسے اندھے کنویں بیاباں کے  
 جیسے بیمار پر سیہ چادر  
 بھولے بھٹکے سے راہرو جیسے  
 جیسے ٹوٹی ہوئی کمان کا تیر  
 بلکھی دُھوپ، لاش پر جیسے  
 ٹوٹی قبروں کے روزنوں میں ہوا  
 جیسے دلدل میں گاڑیوں کے نشان  
 یہ نشان ہیں ریکارڈ کے گو یا  
 کروٹیں لے رہے ہیں حسرت سے  
 گیت گزری ہوئی جوانی کے

اے خُدا ہم کو نزاعِ کُفر و ایماں سے بچا!  
 اپنے ہندو سے بچا، اپنے مُسلمان سے بچا!  
 رُوح کی رفعت سے ہوں جو آسمانی آدمی  
 دے ہمیں بارِ خُدا ”ہندوستانی“ آدمی!  
 الغرض میرے وطن کو زندگی دے اے خُدا!  
 آدمی دے، آدمی دے، آدمی دے اے خُدا!



جو جینیں تدبیرِ تسخیرِ جہاں کے واسطے  
 اور مریں بھی توقفِ ہندوستان کے واسطے  
 جن کے آگے ہوں گر جیتی بدلیاں چنگِ بباب  
 زندگی کیا، کھیلتا ہو موت سے جن کا شباب  
 جن کی ہر موجِ نفس میں ہو خروشِ زندگی  
 جن کا ہر نقشِ قدم ہوا کُستونِ روشنی  
 جن کے سینوں میں ہوں روشن جُتِ ملت کے چراغ  
 دل تو دلِ دل کی طرح جن کے دھڑکتے ہوں دماغ  
 جن کے بر لب میں دہکتی زندگی کا راگ ہو  
 جن کے دل میں ولولے ہوں ہولوں میں آگ ہو  
 جن کی شمعِ فکر ہو روشن تر از ہر مینیر  
 سبحہ و زُبار میں جھکڑے نہ ہوں جن کے ضمیر  
 ناسزا و ہام کر سکتے نہ ہوں جن کا شکار  
 گائے باج پر نہ ہو جن کے عفتِ اید کا مدار

# آدمی دے، اے خدا !

اے خدا، بندوستان کو بخش ایسے آدمی  
 جن کے سر میں مغز ہو، اور مغز میں تابندگی  
 جن کی فکر تازہ میں، ہو اجتہاد ہی بانیکن  
 جن کی عقلوں پر نہ ہو بارِ روایاتِ کہن  
 جن کی رگ رگ میں ہزاروں بجلیاں ہیں مقبّر  
 جن کے دل مضبوط ہوں جن کی انگلیں شعلہ بار  
 موت کو پوچھیں جو عمر جاودانی کی طرح  
 خون جو اپنا بہا سکتے ہوں پانی کی طرح  
 غم جن کے خندہ زرن ہیں ثابت و ستیا رہ  
 ذہن جن کے سانس لیں اوجِ سرگہزار پہ

# یارِ صادق

یعنی مجھے شگفتہ مُقتدر نہیں ملا  
 مجھ کو خزانہ زر و گوہر نہیں ملا  
 کوئی قہرِ جمال و سمن بے نہیں ملا  
 چھوٹوں کی سیج، عیش کا بستر نہیں ملا  
 خود مجھ پہ جو فدا ہو وہ دلبر نہیں ملا  
 میرے جنوں کو خضر سار بہر نہیں ملا  
 مجھ کو جمالِ رُوسے سکندر نہیں ملا  
 چھہ کر جو ٹوٹ جائے وہ نشتر نہیں ملا  
 میری زباں کو چشمہ کوثر نہیں ملا  
 میرے دل و دماغ کو جوہر نہیں ملا  
 مخلوق سے خطابِ پیمبر نہیں ملا  
 میری جبین کو تاجِ گل تر نہیں ملا  
 سردارِ روپ سنگہ سے بہتر نہیں ملا

ہاں غلط ہی بلکہ غلط و غلط ہے جوش  
 یہ بھی غلط کہ زندگی مستعار میں  
 یہ بھی غلط کہ مجھ کو جوانی کے دور میں  
 یہ بھی غلط کہ جوشِ مری خواہ گاہ کو  
 یہ بھی غلط کہ میری محبت کے دور کو  
 یہ بھی غلط کہ دشتِ نور دی کے عہد میں  
 یہ بھی غلط کہ آتینہ روزگار میں  
 یہ بھی غلط کہ دل کو کسی کی نگاہ سے  
 یہ بھی غلط کہ ساقی شیریں کلام سے  
 یہ بھی غلط کہ روزِ ازل کردگار سے  
 یہ بھی غلط کہ مجھ کو بہ فرمانِ شاعری  
 یہ بھی غلط کہ شہرتِ دائم کے بات سے  
 لیکن خدا گواہ کہ یاروں میں آج تک

# استہمامِ غم

آج پھر ہے حریمِ عشرت میں      سرِ شیرینِ ذرا نوئے فرہاد  
 نرم ہے باغ میں نسیمِ شمال      مست ہے آبِ جُویہِ بادِ مُراد  
 پھر خرابات میں ٹہتا ہے      مئےِ شہِ از و آبِ رُکنِ آباد  
 بوٹا بوٹا ہے باغ کا سرشار      ذرّہ ذرّہ ہے خاک کا دلِ شاد  
 جس طرف جائے نویدِ طرب      جس طرف دیکھئے مُبارکِ باد  
 آج دُنیا ہے پھر ہشتِ بریں      آج دہلی ہے پھر ملیح آباد  
 مُردہ اے دل کہ پڑنے والی ہو  
 غم کے اک تاز و قصر کی مُنیا دا!

دیا کچھ فاصلے پر ٹھما اٹھتا ہے جب بن میں  
 سیاہی، روشنی کی راز داں معلوم ہوتی ہے  
 ریتیلی ڈھال پر انگڑائی لیتا ہے اک افسانہ  
 ندی کے موڑ پر اک داستاں معلوم ہوتی ہے





چھپا لیتی ہے خُشک و تر کو جب شام اپنے دامن میں  
 بشر سے رُوحِ عالم بدگماں معلوم ہوتی ہے  
 جھلک اُٹھتا ہے جب پہلا ستارہ بامِ گردوں پر  
 کلیجے پر مجھے نوکِ سناں معلوم ہوتی ہے  
 فرازِ چرخ پر رہ رہ کے جب کوندا لپکتا ہے  
 اُداسی کارواں درکارواں معلوم ہوتی ہے  
 شفق کو دیکھتے ہی ، وہ محبت جس کو جاگ بیٹا  
 مرے دُکھتے ہوئے دل میں جواں معلوم ہوتی ہے  
 اندھیرے میں لبِ ساحل جو پتے کھڑکھڑاتے ہیں  
 مجھے گیرانیِ فصلِ خزاں معلوم ہوتی ہے  
 زمین و آسماں جب ظلمتوں میں ڈوب جاتے ہیں  
 حیاتِ نوعِ انساں ، راتِ یگاناں معلوم ہوتی ہے  
 شفق کے ہر نفس اڑتے ہوئے اوراقِ زریں میں  
 مجھے بیٹا بچے عمرِ رواں معلوم ہوتی ہے

# شام کار ومان

ہوائے شام جب پھرتی ہے ٹھنڈی سانس صحر میں  
 مجھے ہر ایک پتی، لوحہ خواں معلوم ہوتی ہے  
 فضائے نرم پر جس وقت چھا جاتا ہے سناٹا  
 مجھے جنبش میں ذروں کی زباں معلوم ہوتی ہے  
 سنکتی ہے مرے سے جب گھنے جنگل کے سائے میں  
 ہوائے سرد میری ہسم زباں معلوم ہوتی ہے  
 بلند و سپت و آب و رنگ، جب کچھ بھی نہیں رہتا  
 یہ دنیا صرف اک وہم و گماں معلوم ہوتی ہے  
 ٹپک پڑتا ہے جب خورشید آنسو بن کے گردوں سے  
 لبِ جاں پر صدائے آلا ماں معلوم ہوتی ہے  
 دلِ وادی سے اٹھتا ہے دھواں جس وقت ہلکا سا  
 پہاڑوں کی بلندی سرگراں معلوم ہوتی ہے

جیسے کوئی دھار چھوٹا ہو اُپی تلوار کی ،

آپ سے کیوں کر کہیں ہندوستان پُر ہول ہے

آپ کا نام آگ ہے ، اور کانگریس پٹرول ہے

وہ سُرنگیں کھد رہی ہیں ، الحفیظ والامان

صرف انگلستان کیا ، یورپ سما جائے جہاں

نوجواں کرتے ہیں جب سرگوشیاں پیکار کی

صاف آتی ہے صدا چلتی ہوئی تلوار کی

آپ کے ایوان میں رقصاں ہیں لپٹیں عود کی

ہندویوں کی سانس سے آتی ہے بُو بارود کی

غور سے سُن لیجئے اے خواجہ عالی نژاد

آپ کو دھوکے میں رکھ سکتے نہیں ہم خانہ زاد

کیجئے درماں میں عُجَلت ، ورنہ دِل ڈر جائیگی

حاکم اپنے گھر چلے جائیں گے ، ہم مرجائیں گے

چونکیئے جلدی ، ہوائے تند و گرم آنے کو ہے

ذّرہ ذّرہ آگ میں تبدیل ہو جانے کو ہے

ہم سے باغی قسم کے افراد کہتے ہیں یہ بات  
 صرف مُوسٰی بن کے فرعونوں سے ممکن ہے نجات  
 ہم تو مُوسٰی بن نہیں سکتے کسی تدبیر سے  
 پھر بھی خائف ہیں سیاسی خواب کی تعبیر سے  
 نوجواں بھپھرے ہوئے ہیں، بھوک سہی دل تنگ ہیں  
 ذرے ذرے سے عیاں آتا رُخِرب و خنک ہیں  
 کشورِ ہندوستان میں رات کو ہنگامِ خواب  
 کروٹیں رہ رہ کے لیتا ہے فضا میں انقلاب!  
 گرم ہے سوزِ بغاوت سے جوانوں کا دماغ  
 آندھیاں آنے کو ہیں اے بادشاہی کے چراغ!!  
 ہم وفادارانِ پیشیں، ہم غلامانِ کُہن  
 قبر جن کی کُھد چکی، طیارے جن کا کفن  
 تُوں دریا کے دھارے کو ہٹا سکتے نہیں  
 نوجوانوں کی اُمنگوں کو دبا سکتے نہیں  
 مدح اب ڈر ڈر کے ہم کرتے ہیں یوں سرکار کی

صرف سڑکوں کے چراغاں سے نہیں چلتا ہے کام  
 کچھ دلوں کی روشنی کا بھی کیا ہے اہتمام؟  
 آپ کے چپم کے نیچے ہے جو قوم نامراد  
 کھائے جاتا ہے اُسے خدام عالی کا عناد  
 معدہ محروم غذا ہے، کیسہ ہے محروم زر  
 آپ کے عمال نے ٹوٹا ہے ہم کو اس قدر  
 آپ کے فرقِ مبارک کو دیا ہے جس نے تاج  
 آج اُس بھارت کا سر ہے، اور تیغِ احتیاج  
 ہر جہیں پر ہے شکن، اس کج کلاہی کی قسم  
 ہر مکان اک مقبرہ ہے، قصرِ شاہی کی قسم  
 آپ کے سر پر ہے تاج، اے فاتحِ رُوائے زمیں  
 اور ہم اہلِ وفا کے پاؤں میں جوتی نہیں  
 ہم وفاقِ کیش، آپ کی نظروں سے بھی گرجائینگے؟  
 آپ بھی ہم سے خدا کی طرح کیا پھر جائیں گے؟

راس کل آتی تھی جیسے آپ کے ماں باپ کو  
 یوں ہی رسمِ تاج پوشی ہو مبارک آپ کو  
 دل کے دریا نطق کی وادی میں بہ سکتے نہیں  
 آپ کی ہیت سے ہم کچھ کھل کے کہہ سکتے نہیں  
 لیکن اتنا ڈرتے ڈرتے عرض کرتے ہیں ضرور  
 ہند سے واقف کیے جاتے نہیں شاید حضور  
 آپ کے ہندوستان کے جسم پر بوٹی نہیں  
 تن پر اک دھجی نہیں ہے پیٹ کو روٹی نہیں  
 تاج پوشی نے جودی ہیں بھیک میں دو روٹیاں  
 شکریہ اُن روٹیوں کا اے شہِ گردوں نشان  
 روٹیاں لیکن جودی ہیں آپ کے خُدام نے  
 آسکیں گی کیا یہ کل کی اشتہا کے سامنے؟  
 آج کی دو روٹیوں سے چین ہم پائیں گے کیا  
 کھا بھی لیں گے آج اگر ڈٹ کر توکل کھائیں گے کیا؟

# وفادارانِ اُزلی کا پیام شاہنشاہِ ہندوستان کے نام

تاج پوشی کا مبارک دن ہے، اے عالمِ نپاہ  
 اے غریبوں کے امیر، اے مُقلّسوں کے بادشاہ  
 اے گداپیشوں کے سُلطان، حباہلوں کے تاجدار  
 بے زروں کے شاہ، ورپُوڑہ گروں کے شہریار  
 اے ہمارے عالموں کے ”حامیِ دینِ بُہیں“  
 دُورِ سید کے ”اولی الامر و امیرِ اہمومنین“  
 اے رئیسِ پاکِ دُن اے شہریارِ نیکِ نام  
 جھوک کی ماری ہوئی مخلوق کا لیجئے سلام

اس اشکبارِ زیدۂ محروم کے قریب  
 آنسو جو پوچھتا تھا وہ داماں کب آئے گا  
 تارکیوں میں نور کا نیکلے گا کب جلوس  
 پہلوئے شب میں ماہِ درخشاں کب آئیگا  
 کم ہو چلی ہیں نبضِ تمنا کی گرمیاں  
 اس جھوٹے سُست موج میں طُوناں کب آئیگا

نازاں بہت ہیں دین پہ یارانِ پارِ سا  
 اس شہر میں وہ دشمنِ امیاں کب آئیگا





# کب آئیگا؟

بالینِ غم پہ عیسیٰ دُور اں کب آئے گا  
 دل تنگ ہولِ حیات کے اِس دَورِ فتنہ سے  
 جس پر ہزار بار خدا جانِ میزبان  
 چھانے لگی ہے زلیستِ پتہ تاریکیِ اجل  
 بول لے دیا رِشوق کی پُربہولِ خامشی  
 تکلیفِ ہوشِ آتشِ دوزخ سے کم نہیں  
 مُدت ہوئی کہ سلطنتِ جاں ہی بخیرِ وِش  
 چن و بشر بتاؤ، زمین و زماں بتاؤ  
 جس کے ہر اک نفس پہ چمن کے چمنِ نشا  
 میرے دیا رِ دوش کی جانبِ لبِ شکلِ موج  
 ظُلمتِ نصیبِ شام کے ایوانِ تیرہ میں  
 مَعبود، وہ ہمیں سِرِ درماں کب آئے گا  
 یارب مرادہ فتنہ دُور اں کب آئے گا  
 اے گردشِ زمانہ وہ مہاں کب آئیگا  
 آخر پیامِ چشمہ حیاں کب آئے گا  
 وہ مستِ ناز و دیا رِ غرلجواں کب آئے گا  
 وہ خُمِ بدوش و میکدہ سا ماں کب آئے گا  
 وہ شہرِ یارِ سلطنتِ جاں کب آئے گا  
 اپنے گدا کے پاس وہ مُسُلطان کب آئے گا  
 یارب ادھر وہ زندہ گلستاں کب آئیگا  
 وہ کاروانِ زلفِ پریشاں کب آئے گا  
 یارو، صُغیرِ صُبحِ زرافشاں کب آئے گا

# ترے بغیر

اب زہر ہے یہ چشمہ حیواں ترے بغیر  
 بہم ہے زلفِ سنبل و ریاں ترے بغیر  
 شیون ہی اب، وہ لحنِ ہزاراں ترے بغیر  
 دُستا ہے ابر کوہ و بیاباں ترے بغیر  
 گونگے ہیں، طائرانِ خوش الحان ترے بغیر  
 کیا کیا بہار سے ہوں، لہجہاں ترے بغیر  
 بھولی ہوئی ہے جنبشِ مڑگاں ترے بغیر  
 سُوتی پڑی ہو آنجنِ حباں ترے بغیر  
 اب وہ جنوں ہے سر بہ گریباں ترے بغیر  
 اک شامِ غم ہے صبحِ بہاراں ترے بغیر  
 اک داغِ تازہ ہے مہِ تاباں ترے بغیر

اے دُختِ ترنم و اے بنتِ ابرو باد  
 کیونکر کہے گا موسمِ باراں ترے بغیر؟

جلد آ کہ زندگی ہی پریشاں ترے بغیر  
 مُضطر ہے رُوحِ لالہ و نسیمِ تھے لئے  
 جس کا ہر ایک شعبہ تھا، گلِ بانگِ صد نشاط  
 چھٹتی ہے نبضِ سیرِ چمنِ تیری یاد میں  
 پھیکا ہے رنگِ لالہ و گلِ تیرے ہجر میں  
 دامنِ ہوا پارہ پارہ نہ دھو میں چمنِ چمنِ ا  
 جلد آ کہ شوقِ دید میں لیلائے زندگی  
 اے غمتِ زمانہ و آشوبِ روزگار  
 لرزاں تھی جس کے پنجہ و حشت ہو کائنات  
 اک شکِ جُلنِ ہی تری جدائی میں خیمِ صبح  
 اک رنجِ دشنہ ہی تری فُرقت میں بجے گل

# پیرزن لیک

کل رات کو یہ خواب تھا کیا حضرت آزاد  
 سہمے سے اُجالے میں ہوا اک پیرزن تند  
 یوں گرم سخن ہو کہ جو اللہ نے چاہا  
 اک بُوند میں بہ جائے گی تعمیرِ دو عالم  
 ہاں لیک ہوں۔ اسلام کی دیرینہ مجاہد  
 کافر کو جلاتی ہوں سیرِ نارِ جہنم  
 آہی نہیں سکتا مرے مُنہ لالہ بُزِ دل  
 کیا اُس کا مرا ذکر، وہ دلیسی، میں لبثی  
 گنگا کی ہر اک لہر میں غلطیدہ ہے نستی  
 کفار کے ذل اور مرے چند سپاہی  
 آنکوش میں ظلمت کے ہے سہما سا اُجالا  
 اوڑھے ہوئے شبہاے جوانی کا دوشِ کالا  
 کر دوں گی میں اسلام کی دُنیا میں اُجالا  
 چھلکے گا مرے صبر کا جس وقت پیالا  
 ہر باتِ حُرری تیغ ہے ہر سانس ہے بھالا  
 مومن کو عطا کرتی ہوں جنت کا قبالہ  
 میں پاک، وہ ناپاک میں گورِ میوں کا کالا  
 میں مصر کی مسجد وہ بنارس کا شوالا  
 دُجلے کی ہر اک موج میں رقصاں ہی ہمالا  
 اعدا کے پرے، اور ہر ایک رسالا

دل میں رقصاں ہر رُوحِ بادِ شمال      اپنے نافر سے مُضطرب ہی غزال  
 دل میں ہے اک تلاش سی تو ہوم      یہ بھی لیکن اُسے نہیں معلوم  
 کہ مرے دل کا مَدعا کیا ہے      یہ رگ و پے میں درد سا کیا ہے  
                  مُضطرب ہے کہ یہ مقام ہے کیا  
                  آخر ان وَلولوں کا نام ہے کیا!



# گمنام و لوے

گاہوں کی اک نگارِ ہوش بُرا  
 اُفقِ حُسن پر بصد تب و تاب  
 سر پہ ٹیکا، نہ بات میں چھلا  
 آ رہی ہے قدم بڑھائے ہوئے  
 ہو رہی ہے طلوع، صُبحِ شباب  
 گرتے گرتے سنبھل رہا ہے کوئی  
 آنکھڑیوں میں خفیف طراری  
 بن کی جانب نظر اٹھائے ہوئے  
 رُوح بے داغ، چہرہ نورانی  
 خواب میں جیسے چل رہا ہے کوئی  
 ایک اطلاق سا، نہ کیفیت، نہ کم  
 خواب کا ہے سماں نہ بیداری  
 ایک بھٹکی ہوئی سی شانِ حجاب  
 رُخ پر اک نام تمام حیرانی  
 ناشنیدہ فسانہ آنکھوں میں  
 نہ تغافل کی ٹونہ ذوقِ کرم  
 لب پر اک نیم رُس تبسم سا  
 ایک کھویا ہوا سا استعجاب  
 رُوح میں ایک کشمکش کا ظہور  
 وحشت آہوا نہ آنکھوں میں  
 رات کا جیسے آخری لمحہ  
 جیسے ہلچل ہو کوئی تحتِ شعور

# اشارہ مشیت

خدا گواہ کہ منشا ہے یہ مشیت کا  
موقدوں کو رہے اختیارِ بیت شکنی  
طلسمِ کوثر و تسنیم بھی نہو باطل  
حدیثِ طاعت و آیاتِ حق کے دشمنِ بدوش  
فسوں طرازی و اللیل کے تفت اہل کو  
شعارِ عجز و سرِ انکسار کے ہمراہ  
مذاقِ بندگی و ذوقِ سجدہ کے باوصف

کہ ہر نظام کے ہمراہ ابتری بھی رہے  
برہمنوں کے لئے اذنِ آذری بھی رہے  
شرابِ ناب کی موجِ فسونگری بھی رہے  
زمین پہ کفر و بغاوت کی شاعری بھی رہے  
کرشمہ سازی کیسوئے دلبری بھی رہے  
سرشتِ حضرتِ انساں میں خود سری بھی ہے  
مزاجِ آدمِ خاکی میں داوری بھی رہے

غرض کہ حکمِ مشیت یہ ہے کہ دنیا میں  
پیہری بھی رہے اور کافری بھی رہے!



# گلابانگِ نوشانوش

اٹھا ساغر کہ بیداری و بال ہوش ہی ساقی  
 ترے آلودہ مشرب روزہ خواروں کی تمنائیں  
 زمانہ قص میں ہی بچ رہی ہی وقت کی چھپاگل  
 پسینہ آگیا ہی جلد میں خوروں کے ماتھے پر  
 اگر اک بوند ٹپکا دوں تو تو دینے لگے دُنیا  
 زمیں کے آگینے کو کہیں ٹھو کر نہ لگ جائے

زمانہ تیغ در دست و کفن بردوش ہی ساقی  
 ہلالِ عید اک گھلتا ہوا آغوش ہے ساقی  
 چمن میں آج وہ گلابانگِ نوشانوش ہی ساقی  
 حسینوں کی جوانی آج یوں گل پوش ہو ساقی  
 مرے ساغر میں ایسا بادۂ سرخوش ہی ساقی  
 ترے رندوں کو مستی میں بھی اتنا ہوش ہی ساقی

اٹھالے جامِ زراں کو پلا جامِ سفالیں میں  
 کہ یہ کونین کا ٹھکانے والا جوش ہے ساقی

اے عید کا چاند دیکھ کر یہ نظم کہی گئی تھی۔

ہاں کئے جا آگینے زندگی کے چور چور  
 پیٹ کے بل رہینگے دے خاک پر او دیو قہر  
 ہاں سروں پر یوں ہی سہم ٹھوکریں ہی ہرزہ کا  
 ہاں یونہیں چلتی ہے تا دیر تیغِ شعلہ نام  
 ہاں لئے جا کام یوں ہی آتشیں قانون سے  
 آگ کا بادل، فرازِ چرخ پر چھپانے کو ہے  
 آپہلی ہے عاجز می کی نبض میں موجِ غرور  
 آچلا ہے سانپ کا اس رہینگے سہم میں نہ  
 دھل رہا ہی جنگ کے سانچے میں فنا کسے  
 کروٹیں لینے لگا ہے دل میں جوشِ انتقام  
 تو نکلنے ہی پہ ہے مشرق کو ٹھنڈی خون  
 لے حکومت کے چمن بادِ سہموم آنے کو۔

ٹھوکر میں کھاتا پھرے گاج کھلا ہی کا غرور  
 دب کے بھیجے سنے نکل جائیگا شاہی کا غرور





# چلائے جاتلوار

ہاں سُنے مجھ بے حیا نے لکھنؤ کے واقعات  
 شرم لے ہنگامہ پرور "حائل امنِ آماں"  
 ماؤں کے آغوش سے معصوم بچے چھین کر  
 خُون کے آنسو بہاؤ اے زمین و آسماں  
 سر قلم ہوں ساز و برگِ تاجدارِی کے لئے  
 کچھ خبر بھی ہے تجھے اے خود فروش و خود پسند  
 اے بیاطن محض اک قبّال اے ظاہرِ شہِ شاہ  
 بھٹیڑیوں کے طور سے انساں کا کرتا ہوشکار  
 بے کسوں کے خُون کو نامرد، سمجھے جا حلال  
 عورتوں کی عصمتیں، بچوں کو دل، بوڑھوں کے سر  
 کھول لے خونِ جوانی، گونج لے شیرِ حیات  
 بے خطا اللہ کے بندوں پہ برسیں گولیاں  
 خاک پر اس طرح پٹکے جائیں، کیوں ذخیرہ  
 فوجِ بد میں میں گھر میں ہندوستان کی بیٹیاں  
 خُون چھڑکا جائے کشتِ شہرِ یاری کے لئے  
 نوعِ انسانی کا سر ہو تاجِ شاہی سے بلند  
 پہلے جلیوں پر نظر تھی اب ہے جانوں پر بنگاہ  
 خاک ہو جائے جہاں بانی کے جھوٹے اقتدار  
 دیکھ، خنجر تو لے پر ہے مشیت کا جلال  
 ہاں چڑھائے جا بہاں بانی کی قرباں گاہ پر

۱۹۳۵ء میں لکھنؤ کے اندر بے خطا اور غیر مسلح مجمع پر پولیس نے گولی چلائی تھی۔

رَہ رَہ کے حواس کھو رہی ہے      اُنٹھن سی رگوں میں ہو رہی ہے  
 اُٹھنے کے لئے نظر ہے بے تاب      آنکھوں میں تڑپ ہے ہیں گرداب  
 بے چین ہے ذوقِ خود نمائی      پھل میں ہے خونِ دل رُبائی  
 سینے میں اُمتس سی ہو رہی ہے      بیدار ہے یوں کہ سو رہی ہے  
 کانگل کے مزاج پر خُدارا      اے شیب کی ریش ارحم فرما  
 دے اذن کہ دام تو بچھالے      شانوں پہ پھل کے لہر کھالے

اربابِ نظر پہ وار کر لے  
 کونین کا دل شکار کر لے



# شبابِ مرعوبِ شیب

اک پیپر کے پاس کچھ ٹھہری سی  
 احساس کا خلفشار رُخ پر  
 خامی پہ نگاہِ پختہ کاری  
 پیری کے جھکے بندھال کا ندھے  
 طوفان کی سحرِ مجہود کی رات  
 افسردہ ہے دایم جزو میں گُل  
 تخریب کے سائے میں ہو تعمیر  
 بے چین ہے حُسن کی تب و تاب  
 سینے میں ہے محوِ پریشانی  
 عشوؤں کا لہو بہ سوگواری  
 حُسن، آتشِ غم میں جل رہا ہے  
 بیٹھی ہے خموش ایک لڑکی  
 پیری کے ادب کا بار رُخ پر  
 غنچے خیزاں کا رعب طاری  
 دریائے طرب کا بند باندھے  
 شعلے کی جبین پہ برت کا ہات  
 پژمردہ ہے حبیبِ خار میں گُل  
 نظروں میں پڑی ہوئی ہے زنجیر  
 کھلنے کے لئے کلی ہے بے تاب  
 پسری سے بھی ہوئی جوانی  
 عارض کے خطوط میں ہے جاری  
 کانٹوں پہ شباب چل رہا ہے

موجزن ہے اتصالِ ماہ و بجوئے تند میں  
 وہ طرب کا دورِ کرب افزا کہ تھا بجولا ہوا  
 موسمِ باراں کی رو میں چاند شفاف و رقیق  
 سینہ کے پھینٹوں کے اثر سے آسماں گچھلا ہوا  
 کانپتی لہروں سے اٹھتے ہیں نمؤ کے زمرے  
 جھومتے پودوں سے آتی ہے جوانی کی صدا  
 لرزشِ صہبایں جھلکے جس طرح نشے کی رُوح  
 چاند ہے اس طرح قلبِ آب میں ڈوبا ہوا



# برسات کی چاندنی

جرخ پر برسے ہوئے بادل کے ٹکڑے جا بجا  
 چاندنی، تالاب، ستاٹا، پیسے کی صدا  
 دشت پر چھائے ہوئے ذوقِ جنوں کے دلوں  
 چاندنی معصوم بچے کے تبسم کی ادا  
 فصلِ سرما میں سحر کو غسل کر چکنے کے بعد  
 رنگ ہو جیسے کسی معشوق کا نکھرا ہوا  
 سینہ امواج میں ستیاں چاندی کی تڑپ  
 طاقِ گل میں قطرۂ شبنم کا چھوٹا سا دیا  
 نرم شاخوں کی لچک، سرشار ساحل کا سکوت  
 دشت کی خوشبو، فضا کی تازگی، ٹھنڈی ہوا  
 جاناں کٹیوں کے عقدے، ٹور سے سلجھتے ہوئے  
 دلربا میدان کا دامن ادس میں ڈوبا ہوا

چُھوٹی سی ہواؤں میں، مچلتی سی گھٹائیں اک نیند سی کونین کو ہے آئی ہوئی سی  
 ”جنگل کی ہوا میں“

جنگل کی ہوا میں، ارے جنگل کی ہوا میں،

”جنگل کی ہوا میں“

یہ تان ہے بادل کی طرح چھائی ہوئی سی!

”جنگل کی ہوا میں“

”ارے جنگل کی ہوا میں“



یہ سُنتے ہی جیسے ہی نطریں نے اُٹھائی  
 خنجر پہ شعاعوں کے مہا زنگ سا دوڑا  
 اک آن میں بدلی ہوئی دُنیا نظر آئی  
 نو دیتی ہوئی خاک پر اک زنگ سا دوڑا  
 تپتے ہوئے ذرات کو انگریزائی سہائی  
 اور آنکھ، دیکھتے ہوئے سُورج نے جھمکائی  
 اللہ رے اُس طفلِک زنگیں کی صدائیں  
 چلنے لگیں نرمی سے دبے پاؤں ہوائیں

”جنگل کی ہوا میں“

”جنگل کی ہوا میں، ارے جنگل کی ہوا میں“

”جنگل کی ہوا میں“

گھبرا کے کڑی دُھوپ نے دامن کو سمیٹا  
 غور شنید پہ زلفیں سی ہیں لہرائی ہوئی سی  
 دامن کے سمٹتے ہی جو دیکھا تو یہ دیکھا  
 گویا سرگردوں ہے گھٹا چھائی ہوئی سی  
 جنگل میں ہے اک نہر بل کھائی ہوئی سی  
 وہ گھانسن کہ تھی دھوپ پہ مچھائی ہوئی سی  
 سرسبز دل آویز ہے گھنگور گھٹا میں  
 کہتے ہیں جسے حسرتِ دیرینہ باراں  
 وہ حسرتِ دیرینہ ہے بر آئی ہوئی سی  
 پھولوں کی طرح خاک ہو اترائی ہوئی سی  
 جنگل سے پیپے کی صدا آئی ہوئی سی  
 کس ناز سے بالائے ہوا لوٹ رہی ہے

# لے کا بادل

اک روز کہ رقصاں تھے ہواؤں میں شرابے  
 سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ زباں پھیر رہے تھے  
 ذرے تھے کہ آتش کی چٹکتی ہوئی گلیاں  
 بے مہر حرارت کی سستانی ہوئی دنیا  
 کرنوں کی زبانوں پہ تھا دوزخ کا فسانہ  
 پہلو سے مرے تان اڑاتا ہوا گزرا  
 دنیا کے تھے اوسان خطا، دُھوپ کے ماے  
 خورشید کے آغوش میں تپتے ہوئے ذرے  
 جھلسے ہوئے بازار، دہکتی ہوئی گلیاں  
 مضطر تھی پسینے میں نہاتی ہوئی دنیا  
 اُس آگ میں دفتر کی طرف تھامیں روانہ  
 اک طفلِ گل فام یہ گاتا ہوا گزرا

”جنگل کی ہوا میں“

”جنگل کی ہوا میں، ارے جنگل کی ہوا میں“

”جنگل کی ہوا میں“

ناخن کی کبھی کوراک انداز سے گھٹکی  
 جھوما کبھی کانے میں بجاتا ہوا چٹکی

”جنگل کی ہوا میں“

”جنگل کی ہوا میں، ارے جنگل کی ہوا میں“

”جنگل کی ہوا میں،،



رہ رہ کے کر ڈیں سی بدلنے لگا غرور      سُرخ کی جوان لُو سے بچھلنے لگا غرور

ایماں کی شانِ عشق کے سانچے میں ڈھل گئی

زنجیر زہد سُرخ ہوئی، اور گل گئی

پل بھر میں زلفِ لیلیٰ تمکیں بگڑ گئی      دُم بھر میں پارسائی کی بستی اُجڑ گئی

جس نے نظر اٹھائی، نظر سُرخ پہ گر گئی      گویا ہر اک نگاہ میں زنجیر پڑ گئی

طوفانِ آب و رنگ میں زہاد کھو گئے

سارے کبوترانِ حرم ذبح ہو گئے

زاہد، حُدودِ عشقِ خدا سے بچل گئے      انسان کا جمال جو دیکھا پھسل گئے

ٹھنڈے تھے لاکھ، حُسن کی گرمی سے جل گئے      کرنیں پڑیں تو برف کے ٹودے بچل گئے

القصۃ دین، کُفر کا دیوانہ ہو گیا

کعبہ ذرا سی دیر میں بُت خانہ ہو گیا

یوں بھگیتی ہیں چاندنی راتیں بہار کی

ہات اُس نے فاتحہ کو اٹھائے جوناڑ سے      آنچل ڈھلک کے رہ گیا زلفِ دراز سے  
جادو ٹپک پڑا نگہِ دل نواز سے      دل ہل گئے جمال کی شانِ نیاز سے

پڑھتے ہی فاتحہ جو وہ اک سمت پھر گئی  
اک پیر کے توہات سے تسبیح گر گئی

فارغ ہوئی دُعا سے جو وہ مشعلِ حرم      کانپا لبوں پہ سازِ عقیدت کا زیر و بم  
ہونے لگی روانہ بہ اندازِ موجِ نیم      انگڑائی آچلی تو بہکنے لگے قدم  
انگڑائی فرطِ شرم سے یوں ٹوٹنے لگی

گو یا صنم کدے میں کرن چھوٹنے لگی

ہر ہجرہ چنچ اٹھا کہ ترے ساتھ جائیں گے      اے حُسن، تیری راہ میں دھونی رانیں گے  
اب اس جگہ سے اپنا مُصلّے اٹھائیں گے      قربانِ گاہِ کُفر پر ایماں چڑھائیں گے

کھاتے رہے فریب بہت خانقاہ میں

آبِ سجدہ ریز ہوں گے تری بارگاہ میں

سُورج کی طرح، زُہد کا ڈھلنے لگا غُرور      پہلوئے عاجزی میں مچلنے لگا غُرور

رُخ پر نٹوں کا ابر پریشاں لئے ہوئے      کافر گٹھا کی چھاؤں میں قرآن لئے ہوئے

آہستہ چل رہی تھی عقیدت کی راہ سے

یا تو بجل رہی تھی دلِ خالقہ سے

آنکھوں میں آگِ عشوہ آہن گداز کی      لہریں، ہر ایک سانس میں، سیلابِ ناز کی  
پلیٹیں ہوا کے دوش پہ، زلفِ دراز کی      آئینے میں دمک، رُخِ آئینہ ساز کی

آغوشِ مہر و ماہ کی گویا پٹی ہوئی

سانچے میں آدمی کے، گلابی ڈھلی ہوئی

ساون کا ابر، کاکلِ شبنگوں کے دام میں      موجیں شرابِ سُرخ کی آنکھوں کے جام میں  
رنگِ طلوعِ صبح، رُخِ لالہ و نام میں      چلتا ہوا شباب کا جادو خرام میں

انساں تو کیا، یہ بات پری کو بلی نہیں

ایسی تو چالِ کبکِ درمی کو بلی نہیں

ڈوبی ہوئی تھی جنبشِ مرگاں شباب میں      یاد دلِ دھڑک رہا تھا محبت کا خواب میں  
چہرے پہ تھا عرق، کہ نمی تھی گلاب میں      یا اوس مویٹے پہ شبِ ماہتاب میں

آنکھوں میں کہہ رہی تھیں یہ موجیں سحر کی

# فتۂ خالقہ

اک دن جو بہرِ فاتحہ اک بہتِ مہرواہ  
ہونچی نظر جھکائے ہوئے سُوتے خالقہ  
زُتار نے اُٹھائی جھپکتے ہوئے نگاہ  
ہونٹوں میں دَب کے ٹوٹ گئی ضربِ لالہ

برپا ضمیر زُپد میں کہرام ہو گیا  
ایساں، دلوں میں لرزہ بر اندام ہو گیا

یوں آئی ہر نگاہ سے آوازِ الاماں  
جیسے کوئی پہاڑ پہ آندھی میں بے اداں  
دھڑکے وہ دل کہ رُوح سے اُٹھنے لگا دھواں  
ہلنے لگیں شیوخ کے سینوں پہ داڑھیاں

پر تو فلک جو حبلوہ جانا نہ ہو گیا  
ہر مُرغِ خلد، حُسن کا پروانہ ہو گیا

اُس آفتِ زمانہ کی سرشاریاں نہ پوچھ  
نکھرے ہوئے شباب کی بیداریاں نہ پوچھ  
مُرخ پر ہوائے شام کی گلِ باریاں نہ پوچھ  
کاکل کی ہر قدم پہ فُسوں کا ریاں نہ پوچھ

عالم تھا وہ خرام میں اُس گُلِ عذار کا

گویا مُزدول، رحمتِ پروردگار کا

گردن کے لیج میں، خیمِ چوگاں لئے جوئے  
چوگاں کے غم میں گئے دل و جاں لڑ جوئے

# مقامِ شیخ

مقامِ شیخ کا قائل ہوں میں بھی      یہ پا پڑ تو بہت سیلے ہوئے ہیں  
یہی ابلیس کی جمعیتوں کو      جہنم کی طرف ریلے ہوئے ہیں  
خیالِ حُور میں تر پلے ہیں برسوں      کہیں دودن میں البیلے ہوئے ہیں  
انہیں پیرِ طریقت کی بدولت      ہمیشہ عرس کے میلے ہوئے ہیں  
صلوٰۃ بے ریا کی وادیوں میں      ہزاروں سختیاں کھیلے ہوئے ہیں  
یہ مشقِ کار و بارِ ضربِ یا ہو      مہینوں سر سے ڈنٹر پیلے ہوئے ہیں  
ہزاروں کو بنا ڈالا ہے چیللا      ہزاروں بار خود چیلے ہوئے ہیں

خُدا کو اور نہ پہچانیں یہ حضرت!  
خُدا کے ساتھ کے کھیلے ہوئے ہیں!!

ہوزِ خمِ سر سے میسر ہنو، وہ تاجِ غلط جو خونِ دل سے نہ پیدا ہو وہ بہار نہیں  
 زمانہ آدمیوں کا شکار کرتا ہے کہ اس شکار سے بہتر کوئی شکار نہیں  
 خزاں ہے گھات میں اور جو گریہاں ہو تھم  
 خدا گواہ، شکاری نہیں شکار ہو تھم



کل آب و رنگِ تمنا سے رُوحِ تھی سرشار  
اور آبِ مآلِ تمنا سے شہرِ مسار ہیں ہم  
سوارِ اہلِقِ اِیامِ کل تھا اپنا غُسرور  
اور آج ہر کسبِ غمہا سے روزگار ہیں ہم  
طلوعِ صبح و رخشاں سے کل تھی گرمِ خروش  
اور آج شامِ غریباں پر اسٹکبار ہیں ہم  
امیدِ نشہِ فردا سے گل تھے محوِ سرود  
اور آج عُمُرِ گزشتہ کے سو گوار ہیں ہم  
کل ایک دھوم سی تھی مقدمِ جوانی کی  
اور اب وداعِ جوانی سے بے قرار ہیں ہم  
کل ایک خواب کا آغاز تھا، فُسونِ روش  
اور آج! خواب کی تعبیر سے دوچار ہیں ہم

سنو کہ حکم، زمانہ سنانے والا ہے

بہوش باش کہ یہ دِن بھی آنے والا ہے

تمہیں خبر بھی ہے اس دل شکنِ حقیقت کی؟  
کہ دہرِ شہوتِ کالج سے سازگار نہیں  
سند سے آس لگائے ہوئے ہو نو خیز و  
سند سے بڑھ کے کوئی شے ذلیلِ خوار نہیں  
ہزار حیف کہ اب تک تمہیں نہیں معلوم  
حیات، خونِ کا دھارا ہے آبِشار نہیں  
ہوائے لالہ و نسریں پہ چھوٹنے والو  
ہوائے لالہ و نسریں اعتبار نہیں  
بس اک گمانِ جوانی ہے ورنہ حُسن کہاں  
بس اک فریبِ نظر ہے، جمالِ یار نہیں  
دب ہے ہیج، اگر دست و پا نہیں مضبوط  
قلم ہے پُوج، اگر تیغِ آبِدار نہیں

# کالج کے نوجوانوں سے

مری طرف سے سُناد دینے نوجوانوں کو  
 تمہیں یہ فرصت سپردِ شکارِ اس آئے  
 تمہاری سُخنی پیہم سے یاد آتا ہے  
 خرامِ ابر بہاراں تمہیں مُبارک ہو  
 کبھی حیات کی رنگیں صدفِ کُسنیہیں  
 تم آج شعلہٴ وسیماب کے نمونے ہو  
 تمہاری ذات ہے آج آرزوئے مُستقبل  
 تم آج گلشنِ ہستی کے موسمِ گل ہو

یہ داستانِ توکل کی ہے جب لڑکین تھا

اور آج کُشتہٴ بیدارِ روزگار ہیں ہم

ہر ایک سانسِ تھی کل نغمہٴ ربابِ حیات  
 کل اہتمامِ سر و بگِ بوستانِ تھا، اور آج  
 اور آج گریہٴ شمعِ سرِ مزار ہیں ہم  
 فریبِ خوردہٴ رنگینی بہار ہیں ہم



# شاعر کی بخششیں

زمانے کو اوجِ نظر بخشا ہوں      جو تھکتا نہیں ہے وہ سرِ بخشا ہوں  
ادب کو مرا کشورِ بہتِ ادب کر      کہ لاکھوں دلوں کو نظر بخشا ہوں  
میری قدر کر اے خدائے تجبلی      کہ شامِ وطن کو سحرِ بخشا ہوں  
گدا ہوں، مگر وہ گداے غنیِ دل      کہ تاج و کلاہ و کمرِ بخشا ہوں  
دلِ خس کو دیتا ہوں بجلی کی شوخی      صدف کو مزاجِ گہرِ بخشا ہوں  
کہاں تک یہ فریاد اے مرغِ بسمل      ادھر آ کہ میں بالِ پرِ بخشا ہوں

جسے بخشا ہوں حیات و جوانی

یہ اندازہ مجھ و پرِ بخشا ہوں



جسے کہتے ہیں عُرُفِ عام میں تخلیقِ انسانی  
 وہاں بخشا گیا ہی میرے دل کو ذوقِ آزادی  
 تبسمِ اکبڑی دولت ہی میں بھی اس کا قائل ہوں  
 جسے اربابِ مذہبِ بادۂ توحید کہتے ہیں  
 خروشِ گریہ ہی حامل نہیں غمہائے پہناں کا  
 لڑکپنِ ضد میں روتا تھا، جوانی دل کو روتی ہی  
 تمنائیں جگاتی ہیں، تو ناکامی سلاتی ہے  
 بڑی دریادلی کے ساتھ ہر خوں ریز طاقت کو  
 یہ کس کی مہرِ ہیبتِ مثبت ہی گیتی کے سینے پر

یہ کس آغاز کی سعیِ ژبوں انجام ہی ساقی  
 جہاں موج ہو تاکِ مرغِ زبردِ ام سے ساقی  
 مگر آنسوؤں کا ایک شیریں نام ہے ساقی  
 وہ آبِ صاف بھی افشردۂ ہنّام ہے ساقی  
 یہاں تو ساز کے پردے میں بھی کُہرام ہے ساقی  
 نہ جب آرام تھا ساقی، نہ اب آرام ہی ساقی  
 نہ اپنی صُبح ہی ساقی، نہ اپنی شام ہی ساقی  
 مشیت کی طرف سے اذنِ قتلِ عام ہی ساقی  
 کہ ہر ذرہ ازل سے لرزہ بر اندام ہی ساقی

ادب کرا اس خراباتی کا جس کو جوش کہتے ہیں

کہ یہ اپنی صدی کا حافظ و خیام ہے ساقی

# سرسشتک

اٹھا ساغر، کہ انساں گشتہ آلام ہے ساقی  
 نہ جانے نوع انساں کیوں اجل سے خوف کھاتی ہے  
 حقیقت کیا سمجھ میں آسکے اشیائے عالم کی  
 سناؤں سازِ حکمت کے ترانے کس توقع پر  
 صداقت آج بھی پوشیدہ ہے اولادِ آدم سے  
 ادھر یہ قول، ہم نے شرح کر دی ہے حقائق کی  
 ادھر تکمیل دیں، کا ہو چکا ہے دعویٰ محکم  
 ادھر شدت کے ساتھ اعلان ہو اتمامِ نعمت کا  
 کہا جاتا ہے مجھ سے زندگی انعامِ قدرت ہے  
 شکایت کیا کسی خون ریز جنگیز و ہلا کو کی  
 عمل کا رشتہ ہی جب دستِ ماحول وراثت میں  
 یہ بربط ہے، یہ نئے، آگے خدا کا نام ہے ساقی  
 اجل کہتے ہیں جس کو رحمتِ یک گام ہے ساقی  
 فقط اک شکل ہے ساقی، فقط اک نام ہے ساقی  
 کہ اب تک نوع انساں بندہ اوہام ہے ساقی  
 دروغِ مصلحت آمیز اب بھی عام ہے ساقی  
 ادھر اب تک ہی ابہام کا ابہام ہے ساقی  
 ادھر ایماں تھا جیسا خام اب تک خام ہے ساقی  
 ادھر ہر سانس اب تک نہ ہر کا اک جام ہے ساقی  
 سزا کیا ہوگی اُس کی جس کا یہ انعام ہے ساقی  
 خود اپنا دل ہی جب غل ریز و غولِ آشام ہے ساقی  
 تو پھر کیوں آدمیتِ نمود الزام ہے ساقی

# شعر کی آگ

میری نظیں آتش سوزاں کا ہی جن پر گساں  
فکرِ بے پروا نے سینے سے نکالا ہے جنہیں  
اُن کا اک پر تو بھی آسکتا نہیں اشعار میں  
یہ مرے نغمے نظر آتے ہیں جو تپتے ہوئے  
کیا ملے گی میری نظموں کے خس و خاشاک میں  
کیا کہوں وہ آگ جو رگ رگ کو گچھلاتی ہوئی  
لاماں وہ سوزِ پہنپانی، جو میرے دل میں ہی  
ولولے اس روح کے آتے ہیں حبیبِ سجاں میں  
بجلیاں میری اگر کھینچ آئیں میرے راگ میں  
سُننے والے جل اٹھیں شوزِ فغاں اُٹھنے لگے

نقطہ نقطہ برقِ خاطف بن کے فودینے لگے

حرفِ گلِ جاییں، لبِ گفتار کو دینے لگے!!

| صفحہ | مضمون                          | صفحہ | مضمون            | صفحہ | مضمون               |
|------|--------------------------------|------|------------------|------|---------------------|
| ۱۹۹  | یہ انسانی تعمیر                | ۱۶۳  | فلاں بخشی        | ۱۲۶  | آتشکدہاں            |
| ۲۰۲  | انکشافات تو مید                | ۱۶۹  | حسن بازاری       | ۱۲۸  | وفاق                |
| ۲۰۳  | دو تاجوت                       | ۱۶۹  | ولاول کی تربیتی  | ۱۲۵  | آوارہ دنیا رت       |
| ۲۰۴  | خدا دیتا جا!                   | ۱۷۱  | اسے تمنا         | ۱۳۰  | گدا سے بندہ ستان    |
| ۲۰۵  | قرآن سہا                       | ۱۷۵  | جاو کی سہ زمین   | ۱۳۳  | ریاستوں کا کئی نعرہ |
| ۲۰۶  | تسین با شناس                   | ۱۷۷  | بھی ہرئی شمع     | ۱۳۵  | اشتر                |
| ۲۰۸  | پہر کی بھیک                    | ۱۷۷  | دیو تہ فلسفی     | ۱۳۶  | میری ہرئی بچی       |
| ۲۰۹  | ظالم بچہ                       | ۱۸۰  | ساقیا            | ۱۳۷  | ماتا اور محبت       |
| ۲۱۱  | اگر نہ دم نہ محبت کا درمیان نہ | ۱۸۱  | سپاہ فام         | ۱۳۸  | بھنرتہ ساقی         |
| ۲۱۲  | باد و بیانی                    | ۱۸۲  | پیام آسودگی      | ۱۴۰  | رون اسبتہ کا فرمان  |
| ۲۱۳  | محسن بچن                       | ۱۸۳  | میں بجا گئی      | ۱۴۲  | بھیک کی آواز        |
| ۲۱۶  | جوانی کا بستر مرگ              | ۱۸۵  | ناہی عشق سے خطاب | ۱۴۳  | دل کی دنیا          |
| ۲۱۷  | سرایہ دار شہر یار کو دھکار     | ۱۸۶  | ساق کا سایہ      | ۱۴۵  | برسات کی ایک شرم    |
| ۲۲۲  | پیر مغل دیکھ!                  | ۱۸۷  | دہری خدشیں       | ۱۴۷  | اثبات باغی          |
| ۲۲۸  | نوحہ زندگانی                   | ۱۸۸  | گنڈ عشق          | ۱۴۸  | دو لٹائی داہی       |
| ۲۳۳  | دین آدمیت                      | ۱۸۹  | مردم شمار کی     | ۱۵۰  | بیک رن شاہزادی      |
| ۲۳۳  | ہوس و عشق                      | ۱۹۰  | ایک قیامت ادہ    | ۱۵۳  | جام خالی            |
| ۲۳۴  | رہزنی یار مہری                 | ۱۹۱  | کرب کی آواز      | ۱۵۴  | خدا ہو جا           |
| ۲۳۵  | پیارے                          | ۱۹۲  | ایک تعالٰی       | ۱۵۵  | نامراد باغبان       |
| ۲۳۶  | جلائے جا بجا گئے جا            | ۱۹۵  | فرغ بادہ         | ۱۵۶  | خرابات              |
| ۲۳۷  | نصیر                           | ۱۹۶  | دنقائے اکبر آباد | ۱۵۹  | پیام                |
| ۲۳۸  | ہوس و عشق                      | ۱۹۷  | دعوت کیف         | ۱۶۱  | درد مشترک           |
| ۰    |                                | ۱۹۸  | تسلی             | ۱۶۲  | نعرہ مردانہ         |

# فہرست مضامین

| صفحہ | مضمون          | صفحہ | مضمون              | صفحہ | مضمون                 |
|------|----------------|------|--------------------|------|-----------------------|
| ۸۶   | امروز بے فردا  | ۴۳   | آدمی دے اے خدا     | ۵    | سرشک تبسم             |
| ۸۸   | شاعر کا ایثار  | ۴۶   | بھریاں             | ۷    | شاعر کی بخششیں        |
| ۸۹   | برائے ہمنفساں  | ۴۷   | نیاز ناز           | ۸    | کالج کے نوجوانوں سے   |
| ۹۱   | راہ طرب        | ۴۹   | ساؤن کے مہینے      | ۱۱   | مقام شیخ              |
| ۹۲   | پروگینڈا       | ۵۱   | حُب وطن اور مسلمان | ۱۲   | فلتہ خالقانہ          |
| ۹۵   | ضبط گریہ       | ۵۵   | تصویر حیاں         | ۱۶   | کے کابال              |
| ۹۶   | برسات ہے برسات | ۵۷   | شاعر و خدا         | ۱۹   | برسات کی چاندنی       |
| ۱۰۰  | نوحہ فراق      | ۶۱   | رفیق لے            | ۲۱   | شباب مرحوب شیب        |
| ۱۰۲  | سلام           | ۶۲   | پیٹ بڑا بدکار      | ۲۳   | چلائے جاتلوار         |
| ۱۰۳  | فتح باب        | ۶۷   | لوڑھا شوہر         | ۲۵   | گلابانگ نوشا نوش      |
| ۱۰۵  | سرساریاں       | ۶۹   | مسک جوش            | ۲۶   | اشارہ مشیت            |
| ۱۰۷  | قلب ماہیت      | ۷۲   | در و محبت          | ۲۷   | گم نام دلوے           |
| ۱۰۹  | شراب پرنگالی   | ۷۳   | نوجوانوں سے خطاب   | ۲۹   | پیرزن لیگ             |
| ۱۱۰  | شباب کمال      | ۷۵   | انتظار کے دن       | ۳۰   | تیرے بغیر             |
| ۱۱۱  | راز حیات       | ۷۶   | محروم تمنہ         | ۳۱   | کب آئیگا۔             |
| ۱۱۳  | فیضان ساقی     | ۸۰   | دعوت امتحان        | ۳۳   | وفاداران ازلی کا پیام |
| ۱۱۵  | مجموعہ اخداد   | ۸۱   | در حدیث دیگران     | ۳۸   | شام کا رومان          |
| ۱۱۷  | نیت کا پھل     | ۸۲   | عالم کی تشنگی      | ۴۱   | اہتمام غم             |
| ۱۱۸  | تہذیب          | ۸۴   | موج باراں          | ۴۲   | یار صادق              |

# حرف و حکایت

جوش ملیح آبادی



«جوش» ملیح آبادی





